کوڈ:1981

یونٹ: 01 تا 09

اسلام اور استشراق

بی ایس پروگرام۔علوم اسلامیہ



شعبہ قرآن وتفسیر

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلام اور استشراق

برائے بی ایس علوم اسلامیہ

تخصص فی القرآن والتفسیر

کوڈ: 1981

تالیف

ڈاکٹر ثناء اللہ حسین

شعبہ قرآن وتفسیر کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

اشاعت اوّل 2026ء

سال اشاعت 2026ء

کمپوزنگ ..... محمد ظہیر

انچارج پرنٹنگ ..... ڈاکٹر سرمد اقبال

طابع ..... علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ناشر ..... علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس کا تعارف

اسلام اور استشراق کے نام سے یہ کورس ایم۔فل علوم اسلامیہ (تخصص فی القرآن والتفسیر) کے ریسرچ سکالرز کے لیے پہلی مرتبہ پیش کیا جا رہا ہے۔اس میں وہ استشراق کے مفہوم وارتقاء، مستشرقین کی اقسام وتحقیقات کے مثبت ومنفی اثرات، قرآن حکیم وعلوم القرآن، حدیث وعلوم الحدیث، سیرت رسول صلی ای کم اور اسلامی فقہ پر مستشرقین کے اعتراضات اوران کے جوابات کا مطالعہ کریں گے۔

اس کورس کے ان مشتملات سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں اسلام کے چند ایک پہلوؤں کے حوالے سے مستشرقین کے کام کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔اور ساتھ ساتھ ان کے کام کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔مستشرقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ملت اسلامیہ کے لسانی، سماجی، معاشی، سیاسی، دینی، مذہبی، سائنسی اور دیگر علوم وفنون اور جملہ نظام ہائے حیات کا مطالعہ کریں۔اس مطالعہ سے ان کا مقصد یہ ہو کہ ملت اسلامیہ کے افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ہر میدان اور ہر سیکٹر میں اپنے افکار ومساعی سے متاثر کیا جائے جس سے ان کے اندر فکری تغیر واقع ہو اور اسلام کے متعلقات کے بارے میں ان میں ضعف پیدا ہوتا جائے۔نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کے دلوں میں ان کے افکار وخیالات کے لیے جگہ بن جائے تا کہ جس وقت وہ ان کے اوپر اپنا تسلط وغلبہ قائم کرنا چاہیں اور ان کے وسائل پر قابض ہونا چاہیں تو مسلمانوں کی طرف سے کوئی مؤثر ردعمل سامنے نہ آئے۔

اس طرح کے کام کرنے والے علماء خواہ وہ یہودی ہوں، عیسائی ہوں، ہندو ہوں یا کسی بھی غیر اسلامی ملک، خطہ، تحریک اور گروپ سے تعلق رکھتے ہوں، کو مستشرقین کہا جاتا ہے اور ان کے کام کے نتیجہ میں جو کارنامے معرض وجود میں آئیں انہیں ''استشراق'' کہتے ہیں۔

مستشرقین اور استشراق کے اس مفہوم کو سمجھنے کے لیے لفظ "مشرق" کے مفہوم کو جاننا بھی ضروری ہے۔مستشرقین کے عرف میں لفظ "مشرق کا جغرافیائی مفہوم مراد نہیں بلکہ ان کے ہاں مشرق سے مراد زمین کے وہ خطے ہیں جن پر اسلام کو فروغ حاصل ہو۔گویا مستشرقین کے نزدیک پوری اسلامی دنیا مشرق کہلاتی ہے۔

عزیز ریسرچ سکالر! آپ میں سے ان کے لیے یہ کورس نئی نوعیت کا ہے جنہوں نے ایم۔اے علوم اسلامیہ کی سطح پر اسے نہیں پڑھا ہے اور جنہوں نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے قرآن وتفسیر کے تخصص کے ساتھ ایم۔اے علوم اسلامیہ کیا ہے ان کے لیے یہ کورس بالکل اجنبی نہیں ہے۔کیونکہ وہ شعبہ قرآن وتفسیر کے استاذ ڈاکٹر ثناء اللہ کے ڈیزائن کئے ہوئے کورس

"قرآن حکیم اور مستشرقین" کا مطالعہ کر کے آئے ہیں۔

اس کورس کو بھی انہوں ہی نے بہت محنت اور لگن سے تیار کیا ہے۔صرف یہی نہیں بلکہ دو اور کورس بھی ڈاکٹر ثناء اللہ تیار کر چکے ہیں: ایک اسرائیلیات اور تفسیر (برائے ایم فل) اور دوسرا" تفسیر وعلوم القرآن میں اطلاق تحقیق "(برائے پی ایچ ڈی)۔میں ان کی اس محنت اور لگن کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔اس کے ساتھ ساتھ میں فیکلٹی کے ڈین پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی صاحب جو اس وقت یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے منصب پر بھی فائز ہیں کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ ان کی سربراہی میں شعبہ قرآن وتفسیر کا یہ کورس زیور طبع سے آراستہ ہو رہا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ شعبہ قرآن وتفسیر کی طرف سے پیش کی جانے والی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں منظور ومقبول فرمائے اور اس سے طلباء اور دیگر قاریوں کو استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی
چیئرمین شعبہ قرآن وتفسیر
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

پیش لفظ

مغرب کا تابناک ترین دور یا تو صلیبی جنگوں نے اسلام کے بارے میں مغرب کو بہت ساری معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ ارباب حکومت، ان کے عمال، ان کے مخبر، ان کے سپاہی، عام زائر، ارکان کلیسا اور راہب، سب کے سب عالم اسلام کو بچشم خود دیکھ چکے تھے۔ تاہم مغرب کا عام آدمی اسلام سے اب بھی بے خبر تھا۔ اسے یا تو کلیسا کے توسط سے اسلام کا ایک نفرت انگیز تصویر ملا تھا، یہ تصور ان کے دلوں پر اس طرح نقش ہو چکا تھا کہ مٹائے نہیں مٹ سکتا تھا۔ اس کی تسکین صرف اس طرح ہوسکتی تھی کہ اس نقش میں مزید گہرائی پیدا ہو۔ مغربی اہل قلم اس عوامی ضرورت کی تکمیل کر رہے تھے۔ تاہم ارباب کلیسا کو یہ احساس تھا کہ اس طرح ہوا میں تیر چلانے سے مقصد حاصل نہ ہو سکے گا۔ اسلام کے علاج کے لئے اسلام کی حقیقی نوعیت اور اس کی کمزوریوں کو سمجھنا ضروری ہوگا۔ اس طرح اسلام کی دو مختلف تصاویر بننے لگیں۔

اس کے لئے پیٹر ویز اسیبل (Peter Venerable) نے با مقصد مطالعہ کی طرف پیشقدمی کی۔ اس نے اس مقصد کے لئے ایک جماعت قائم کر کے دینی کتب کے تراجم کا کام شروع کرایا۔ قرآن مجید کا لاطینی ترجمہ 1141ء میں ہوا۔ اس گروپ کے ایک انگریز مصنف نے 1143ء میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کیا، پیٹر نے ان تراجم پر خود مقالات تحریر کئے۔ پیٹر کی یہ دلچسپی اسلام کو سمجھنے کے لئے نہیں بلکہ اسلام کے کمزور پہلو دریافت کرنے اور کلیسا کو وہاں سے حملہ آور ہونے کے لئے مواد فراہم کرنے کے غرض سے تھی۔ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ سیرت نبوی صلی علی یم اور تاریخ عرب پر بھی کتابیں مستشرقین نے تالیف کی۔

علوم اسلامیہ اور فلسفے کے با مقصد مطالعے اور دلائل و براہین کی تلاش نے بعض اہل نظر کو اصلاح مذہب کی طرف مائل کیا۔ انہیں یہ محسوس ہونے لگا کہ کیتھولک کلیسا کی خامیوں کی بدولت لوگ عیسائیت سے دور اور اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ لہذا کلیسا اور مذہب میں ضروری اصلاحات کر لی جائیں تو اسلام خود بخود مرجھا جائے گا۔ اس نکتہ نظر کا پرجوش حامی جان دے کلف (John Waycliffe) تھا۔ اس کے نزدیک اسلام میں جتنی خامیاں بیان کی جاتی تھیں وہ سب کی سب خود کلیسا میں موجود تھیں۔ اس نے اسلام کی ترقی کا ذمہ دار کلیسا کو قرار دیا، اس نے کہا کہ کلیسا کی نظر میں اسلام ایک بدعت ہی سہی، لیکن انجیل مقدس کی نظر میں خود کلیسا اسلام سے بدتر بدعت ہے۔

کلیسا سے مخالفت کی تہہ میں بھی اسلام سے دشمنی کا جذبہ ہی کارفرما تھا۔ وے کلف کے مطابق اسلام سے صرف اس وقت چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے جب چرچ کو اندر اور باہر سے پاک کیا جائے۔

پندرہویں صدی عیسوی میں سیاسی حالات میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اسپین میں مسلم اقتدار نے آخری ہچکی لی تو یورپ کو مغرب کی سمت سے مسلم خطرے سے نجات ملی۔ لیکن اسی صدی میں مشرقی یورپ سے ترکوں نے اقدام کیا اور اس صدی کے نصف اول میں لاطینی شہنشاہت کی نہ صرف تمام بیرونی چوکیاں سر کر لیں بلکہ پورا بلقان کی علاقہ بھی فتح کر لیا۔ قسطنطنیہ کے سقوط کے بعد ترکوں نے ہنگری کے پایہ تخت ویانا کے دروازے کھٹکانا شروع کر دیے۔ ترکوں کی اس کامیابی کے باعث مغرب پر ایک بار پھر خطرے کے بادل منڈلانے لگے۔ عالم اسلام کے اس طرح روبرو آجانے کے باعث ایک بار پھر صلیبی جنگ کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ پوپ نے صلیبی جنگ کی اپیل کی۔ ہنگرین اور جرمین اقوام ترکوں کے مدمقابل ہوئیں لیکن شکست کھا کر پسپا ہوئیں۔

1433ء میں کونسل آف بیل منعقد ہوئی، اس کونسل میں چرچ آف گریس اور چرچ آف روم میں مصالحت کی (ناکام) کوشش کی گئی تاکہ یورپ کو اسلام سے سمٹنے کی یکسوئی میسر آجائے اور اسلام کے خلاف درج ذیل باتوں پر اتفاق کیا گیا۔

1- پہلا طریقہ جنگ

2- دوسرا طریقہ تبلیغ کہ تبلیغ کے ذریعے اسلام کا مقابلہ کیا جائے اور

3- تیسرا طریقہ کار تحقیق کہ نظریاتی محاذ پر اسلام کے خلاف قلم کو آلہ حرب کے طور پر استعمال کیا جائے۔

4- چوتھا طریقہ کار اصلاح کہ چرچ کی کوتاہیوں کے سبب اسلام پھیلا اور یہ کہ چرچ اگر اب بھی اپنی اصلاح کرے تو اسلام مرجھا جائے گا۔ اس نظریئے کو لوتھر نے ایک تحریک کی شکل دی۔ لوتھر نے عیسائیوں کے دو دشمن قرار دیئے، بیرونی دشمن اسلام اور اندرونی دشمن پوپ۔ اس نے کہا: ''اسلام ہی عیسائیت کا واحد اور عظیم ترین دشمن نہیں ہے بلکہ اس سے زبردست اور عظیم ترین دشمن تو خود چرچ میں موجود ہے اور یہ دشمن پوپ کے سوا اور کون ہے؟''

(Quoted by R. W Soutren: the Western Views of Islam in the Middle Ages. P. 106)

لفظ مستشرق میں بڑی وسعت ہے لیکن بنیادی مقاصد کے اعتبار سے سیہ وہ گروہ ہے جو ارباب کلیسا کے منصوبوں کے مطابق مشرقی زبانوں اور علوم اسلامیہ کا مطالعہ کرنے اور ایسا مواد فراہم کرنے کے لئے وجود میں آیا جو نظریاتی جنگ کے لئے مفید ہو، عربی زبان سے واقفیت اور علوم کے مطالعے نے مستشرقین کو علمی مقاصد کی تکمیل کا بھی موقع دیا۔ چنانچہ سولہویں اور سترہویں صدی عیسویں میں فرانسیسی جرمن اور ولندیزی مستشرقین نے تمام علوم اسلام خصوصاً حب، فلسفہ، کیمیا، نباتات، ریاضی، جغرافیہ اور فلکیات کے خزانے اپنی قومی زبانوں میں منتقل کئے۔ سولہویں صدی (1586ء) میں عربی طباعت رائج

ہوئی جس کا مقصد تبلیغی اداروں کو عربی مطبوعات بہم پہنچانا تھا۔اس کی بدولت نے شمار عربی کتب مستشرقین کے ہاتھوں میں پہنچیں۔علمی اور مذہبی دلچسپی رکھنے والے افراد اور گروہوں کے علاوہ سیاسی اور تجارتی مقاصد کے لئے بھی مشرقی زبانوں کی طرف بھی انگلستان اور یونائیٹڈ پراونس میں توجہ دی جانے لگی۔

مختصر یہ کہ پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کی تعلیمات کے بارے میں مستشرقین کی تحریریں بے لوث یا علمی نوعیت کی نہیں تھیں بلکہ قومی اور علاقائی اغراض و مقاصد کے تحت وجود میں آئی تھیں۔غرض، مفاد یا عصبیت سے آلودہ تحریریں مسح بالعمد کا شکار ہوئی ہیں۔ان میں دیانت اور نیک نیتی کا وجود نہیں ہوتا۔ایسا علم جو بد یانتی پر مبنی ہو فریب سے کم نہیں۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ خیر خلقہ محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

ڈاکٹر ثناء اللہ حسین
شعبہ قرآن و تفسیر
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

یونٹ نمبر:1

استشراق کا لغوی واصطلاحی مفہوم اور ارتقاء

ترتیب وتدوین
ڈاکٹر ثناءاللہ حسین
شعبہ قرآن وتفسیر

یونٹ کا تعارف

انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اول تک کا زمانہ مسلمانوں اور مستشرقین کے لئے متعدد اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔ پچھلی صدیوں میں عالم اسلام کو کافی مشکلات سے گزرنا پڑا اور ان کے پرانے حریف ''مغرب'' کو زمانہ بیداری کے بعد سیاسی، عسکری، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں مسلسل تفوق و بالادستی حاصل ہوتی چلی جارہی تھی۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے لئے کیسی ہی اذیت ناک کیوں نہ ہو، اقوام مغرب کے لئے بہر حال خوش آئند تھی اور اس سے برابر کا فائدہ مستشرقین نے بھی اٹھایا۔ چنانچہ یہ دور (1900 تا 1925ء) تحریک استشراق کے عروج و کمال سے عبارت ہے۔ پھر تحریک استشراق کا دور عروج و کمال بیسویں صدی کے اوائل تک رہا اور ہر پہلو سے استشراقی سرگرمیوں نے فروغ پایا۔ اس دور میں قرآن مجید اور حدیث رسول اللہ صلی اہل علم کو بطور خاص نشانہ بنایا گیا۔ قرآن مجید کے متن اور نزول و ترتیب کو زیر بحث لاکر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ ہم عصر مصدر ہونے کے باوجود قرآن کریم سیرت رسول صلی انام کا مستند و معتبر ذریعہ معلومات نہیں۔ حدیث کے سلسلے میں انکار کے لئے حدیث کے کذب و افتراء اور التباس کی داستانوں کو اچھالا گیا۔ نالدیکے اور گولڈزیہر وغیرہ نے تو انکار حدیث کے مکتب فکر کو بطور خاص فروغ دیا۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- استشراق کا لغوی و اصطلاحی مفہوم جان سکیں۔
2- ظہور استشراق کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔
3- استشراق کے آغاز اور ارتقاء کے بارے میں جان سکیں۔
4- استشراق کے چار ادوار کے بارے میں جان سکیں۔

استشراق کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور ارتقاء

(الف) استشراق کا لغوی مفہوم

استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلا میں لفظی لحاظ سے بہت پرانی نہیں ہیں۔ انگریزی زبان وادب میں ان کا استعمال اپنے مخصوص اصطلاحی معنوں میں اٹھارویں صدی کے اواخر میں شروع ہوا۔ یعنی اٹھارویں صدی کی ایک خصوصیت یہ تھی ہے کہ استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلاح کا رواج اسی زمانہ سے ہوا۔

تحریک استشراق صدیوں مصروف عمل رہی لیکن اس تحریک کا کوئی باضابطہ نام نہ تھا۔ اربری کہتا ہے کہ (Orientalist) کا لفظ پہلی مرتبہ 1630ء میں مشرقی یا یونانی کلیسا کے ایک پادری کے لئے استعمال ہوا۔ انگلستان میں تقریباً 1779ء کے لگ بھگ اور فرانس میں 1799ء کے قریب ''مستشرق'' کی اصطلاح رائج ہوئی اور پھر جلد ہی ''استشراق'' نے بھی رواج پایا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد 1838ء میں فرانس سے شائع ہونے والی ڈکشنری میں بھی یہ اصطلاح درج کی گئی جس کا نام تھا Dictonnairo del Academic Francaise (فرانسیسی کی لغت علمی) اور اس میں لفظ (Orientalism) درج ہوا۔

لسان العرب کا فاضل مصنف تحریر کرتا ہے:

''(شرق) یقال شرقت الشمس اذا طلعت ، اشرقت اضاء ت ... والشرق وکل ماطلع من المشرق فقد شرق ویستعمل فی الشمس من الارض وروی ثعلب عن ابن العربی قال: الشرق الضؤ الشرق الشمس''

(شرق کہا جاتا ہے۔ شرقت الشّمس، شرقت الشّمس کہا جاتا ہے جب سورج طلوع ہو جائے اور زمین روشن ہو جائے، اشرقت: جب سورج روشنی پھیلا دے اور مشرق اور ہر وہ چیز جو مشرق سے طلوع ہو اُس پر شرق کے لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔۔۔ اور ثعلب نے ابن ابن العربی سے روایت کیا ہے۔ الشرق کا معنی روشنی بھی ہے اور سورج بھی۔)

(ب) استشراق کا اصطلاحی مفہوم

''غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں، تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعہ میں مشغول ہونے کا

نام استشراق ہے۔''

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کی تصریحات کے مطابق دونوں الفاظ (Orient) سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ''شرق'' یا ''مشرق'' یا مشرقی سمت، جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔ پھر اس سے (Oriental) یعنی مشرقی جو تمام معنوں میں مغربی (Occidental) کی ضد ہے۔ اس لحاظ سے مستشرق سے مراد وہ شخص ہے جو مشرقی زبانوں، علوم وفنون، آداب و ثقافت اور تہذیب وتمدن وغیرہ پر عبور رکھتا ہو۔

المنجد میں مستشرق کا مفہوم "**العالم باللغات و الاداب و العلوم الشرقية**" یعنی مشرقیز بانوں، آداب اور علوم کے عالم کو مستشرق کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالحمید نے استشراق کی مختلف تعریفین کی ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1- استشراق اس مغربی اسلوب فکر کا نام ہے جس کی بنیاد مشرق ومغرب کی نسلی تقسیم کے نظریہ پر قائم. ہو، اور جس کی رو سے اہل مغرب کو اہل مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری حاصل ہو۔

2- مغربی ممالک کے علماء اپنی نسلی برتری کے نظریے کی بنیاد پر، مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اس کی تاریخ، تہذیبوں، ادیان، زبانوں، سیاسی اور اجتماعی نظام، ذخائر دولت اور امکانات کا جو تحقیقی مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے بھیس میں کرتے ہیں اسے استشراق کہا جاتا ہے۔

3- استشراق اس مغربی اسلوب کا نام ہے جس کا مقصد مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے، اور اس کی فکری وسیاسی تشکیل نو کے لئے کوشش کرنا ہے۔

4- ڈاکٹر عبدالحمید غراب نے مندرجہ بالا تعریفوں کو غیر مانع اور غیر جامع قرار دینے کے بعد استشراق کی درج ذیل تعریف کی ہے:

> ''مغربی اہل کتاب کی مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری کے زعم کی بنیاد پر مسلمانوں پر اہل مغرب کا تسلط قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہی اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے، عقید؟، ثقافت، شریعت، تاریخ، نظام اور وسائل و امکانات کا جو مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے دعوے کے ساتھ کرتے ہیں اسے استشراق کہا جاتا ہے۔''

لیکن اس تعریف میں یہ خامی ہے کہ لفظ مشرق کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کا وہ مستحق ہے کیونکہ اسی کی بنیاد پر مستشرقین کو مستشرقین کہا جاتا ہے۔ دوسری خامی یہ ہے کہ تمام مستشرقین کو ایک ہی زمرے میں شمار کیا گیا ہے۔ حالانکہ

مستشرقین کی کئی اقسام ہیں۔اور یہ بھی خامی ہے کہ جو مستشرقین اسلام کے علاوہ دیگر مشرقی علوم اور تہذیبوں کے میدان میں مصروف عمل ہیں وہ مستشرقین کے دائرے سے خارج ہو جاتے ہیں حالانکہ معروف معنوں میں وہ بھی مستشرقین ہیں۔

ڈاکٹر محمد ابراہیم الفیومی رودی بارت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مستشرقین کے عرف میں لفظ ''مشرق" کا جغرافیائی مفہوم مراد نہیں بلکہ ان کے ہاں مشرق سے مراد زمین کے وہ خطے ہیں جس پر اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔

گویا لفظ مشرق سے مراد اسلامی ممالک ہیں اور دنیائے اسلام کو وہ مشرق کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔مشرق کے اس مفہوم کے تحت مستشرقین کی عملی جدوجہد جن خفیہ مقاصد کی غمازی کرتی ہے اور جن کا اظہار کبھی کبھی بعض مستشرقین کی طرف سے ہوتا بھی رہتا ہے، ان کو اور مستشرقین کے بے شمار علمی کارناموں اور ان کے مختلف طبقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مستشرقین کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

> ''اہل مغرب بالعموم اور یہود اور نصاریٰ بالخصوص، جو مشرقی اقوام خصوصا مت اسلامیہ کے مذاہب، زبانوں، تہذیبوں، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملی خصوصیات، وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی . غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں۔ان کو مستشرقین کہا جاتا ہے اور جس تحریک سے وہ منسلک ہیں وہ تحریک استشر اق کہلاتی ہے۔''

مستشرقین کی اصطلاح اگر چہ زیادہ تر ان غیر مسلم مصنفین کے لئے استعمال ہوتی ہے جس کا تعلق یورپین ممالک سے ہو اور انہوں نے اسلام کے بارے میں کچھ لکھا ہو۔لیکن زیادہ وسیع مفہوم میں وہ تمام غیر مسلم مصنفین بھی آتے ہیں جنہوں نے اسلام کے بارے میں بالعموم اور قرآن مجید اور حدیث نبوی صلی الم کے بارے میں بالخصوص لکھا ہو۔

استشر اق کی اصل حقیقت اس وقت سامنے آئی جب استشر اق اسلام اور اسلامی علوم وآداب کے مطالعے تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ آگے بڑھ کر اسلام وقرآن اور پیغمبر اسلام سے بغض وعناد اس کا جزو لازم ٹھہرا، پھر یہی بغض وعناد پہلے پہل تو مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا، لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے متعین مقاصد کے تحت علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔گویا اس دوسرے مرحلہ میں استشر اق نے ایک تحریک، ایک مستقل رویہ اور سلوک کے احاطہ میں رہتے ہوئے تمام ضروری اور بنیادی مباحث کو موضوع سخن بنایا گیا، مثلاً اسلام اور اس کی تعلیمات کو مجبوراً اور تکلفا غلط طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ زمانہ کے عہد بہ عہد ارتقاء کے ساتھ وہ تعلیمات ہم آہنگ نہیں ہوسکتیں، قدیم تہذیبوں، قدیم زبانوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لئے مصر، عراق، شمالی افریقہ اور دوسرے علاقوں میں سرگرمیوں کو منظّم کیا گیا تا کہ یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب وتمدن کے لئے چیلنج بن

سکیں۔عربی زبان کے لئے کہا گیا کہ قرآنی عربی دور جدید کی ضروریات وحالات سے مطابقت پیدانہیں کرسکتی، اس لئے مقامی زبانیں اور مردہ لغات کو آگے بڑھانا چاہئے بلکہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط سے تبدیل کر دینا چاہئے۔پیغمبر اسلام کے اقوال وافعال اور سیرت وکردار کے بارے میں ان نکات کو اچھالا گیا جن سے عام ذہن کے لوگ بھی اچھا تاثر نہ لے سکیں۔ اسلامی تہذیب اور ثقافت کی تعمیر وترکیب میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی ثابت کی جائے کہ اسلامی ثقافت مجموعہ خرافات ٹھہرے۔

ان تمام تجربات ومطالعات کا ہدف بہرحال مستشرقین کے نزدیک اپنے عزائم کی تکمیل اور مقاصد کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہاں یہ ضرورت ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکمت عملی تبدیل ہوتی رہی اور رفتہ رفتہ مستشرقین جذباتیت کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقلیت، علمیت اور استدلال کے اوزان و پیمانے استعمال کرنے لگے۔اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے رویہ پر انہوں نے خود نظر ثانی کی اور بدنیتی کے باوجود مخالفت کا اظہار رفتہ رفتہ سلیقہ سے کیا جانے لگا اور اسلام کے مقابلہ میں تعصب کا پھیلاؤ بھی نسبتاً کم ہوتا گیا۔مختصر یہ کہ مستشرقین کا رویہ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا۔اسی لحاظ سے ان کے فکر وفن اور تحقیق وتالیف کے معیار بھی جدا جدا ہے۔

استشراق کا آغاز وارتقاء

یہودیوں اور عیسائیوں کا واسطہ مسلمانوں سے بالکل ابتدائی دور ہی میں ہوگیا تھا۔رسول اللہ صلی الہ وسلم کی حیات طیبہ کے مکی دور ہی میں یہودی اور عیسائی دین اسلام پر اعتراضات کی ابتداء کر چکے تھے اور مخالفت کرنے میں وہ قریش کے بت پرستوں کے ہمنوا تھے۔مدینہ منورہ کے دس سالہ دور میں یہ مخالفت اور زیادہ شدت اختیار کر گئی، خصوصاً یہودیوں کی مخالفت اور طرح طرح کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا، قرآن حکیم کے وحی الہی ہونے اور رسول اللہ صلی اللّٰی علم کے نبی و صادق ہونے کے خلاف طرح طرح کے اعتراضات ان کی طرف سے ہوتے رہے۔قرآن مجید کی مکی و مدنی آیتوں میں ان کے بعض اعتراضات اور جوابات کا ذکر موجود ہے۔آنحضرت صلی اللہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت صدیقی وفاروقی میں ان لوگوں سے مسلمانوں کو ہر جگہ واسطہ پڑا اور عراق وشام کی فتوحات نے تو آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کی راہیں پوری طرح کھول دیں۔عیسائی علمائے مذہب نے اس زمانہ سے بطور مہم کے اسلام اور اس کی تعلیمات سے واقفیت پیدا کرنے اور قرآن مجید اور سیرت رسول صلی اللہ کریم کے متعلق طرح طرح کے شبہات پیدا کرنے کی ابتداء کر دی تھی مگر اس زمانہ میں ان کی طرف خود مسیحی لوگ بھی کچھ زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ بازنطینی حکومت کی سخت گیری کے مقابلے میں مسلمانوں کی رواداری اور آزادی نے مفتوحہ علاقوں کی غیر مسلم آبادی کے لئے ایسی صورتحال پیدا کر دی تھی کہ لوگ مسلمان فاتحین کی آمد کو

خدا کی رحمت سے تعبیر کرتے تھے اور متعصب مذہبی پیشواؤں کی طرف کم ہی توجہ کرتے تھے۔اس زمانہ میں لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے جاتے تھے،مصر وشام کے عیسائی اور یہودی علماء اور پیشوایان مذہب اس کے مقابلے میں بے دست و پا سے ہو گئے تھے۔

ولید بن عبدالملک (82-92ھ) کے دور میں کاشغر، بخارا اور سندھ فتح ہو گیا۔اور اسی زمانہ میں اندلس دور میں بھی ممالک اسلامیہ میں شامل ہوا۔اب اہل یورپ سے مسلمانوں کا براہ راست تعلق قائم ہو گیا اگر چہ اس سے پہلے بھی یورپ کے زائرین بڑی تعداد میں بیت المقدس میں کنیسہ، اور ولادت گاہ مسیح کی زیارت کے لئے جاتے تھے بلکہ بہت سے یورپین طلباء بیت المقدس اور دمشق میں رہ کر علم حاصل کرتے تھے مگر ان کا تعلق اتنا گہرا اور ایسا دوامی نہ ہوتا تھا جیسا کہ اندلس کی فتح کے بعد سے ہو گیا۔

تفصیلات کے بیان کا یہ موقع نہیں غرض یہ کہ یورپ کے طالبان علم کا تعلق اور عیسائی و یہودی پیشوایان مذہب کی اسلام کے خلاف علم، فسلفہ اور تحقیقات کے نام سے مساعی بالکل ابتدائی دور اسلامی ہی سے جاری تھیں اور آج تک جاری ہیں۔اس لئے ہم تاریخ کے کسی خاص وقت کو اس جدوجہد کا نقطہ آغاز قرار نہیں دے سکتے، البتہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کے طریقے بدلتے رہتے ہیں، مقاصد میں اگر چہ کوئی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن کلیسا کا زور ٹوٹنے کے بعد سے کچھ ایسے مستشرقین ضرور پیدا ہوئے جنہوں نے جرآت کے ساتھ اپنے ہی اساتذہ کی پھیلائی ہوئی بہت سے باتوں کو غلط قرار دیا اور پوری قوت کے ساتھ ان کی تردید کی، یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس تردید سے ان کا مقصد سچ کو سچ کر کے دکھانا تھا یا خود اپنی طرف سے پیدا کئے ہوئے شکوک کو قابل قبول قرار دینا تھا اس لئے کہ ان تردید کرنے والوں میں سے اکثر نے جہاں اپنے پیشرو مستشرقین کے کذب وافتراء کی پوری قوت کے ساتھ تردید فرمائی ہے وہاں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ نئے شبہات بھی پیدا کر دیئے ہیں اور اتنی معصومیت کے ساتھ دبی زبان میں کوئی نہ کوئی بات کہہ گئے ہیں کہ پڑھنے والوں کو ان کی نیت پر کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہو سکے۔ مثلاً لندن یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر علامہ ڈیفنس سورا اپنی کتاب تاریخ الادیان میں قرآن مجید اور رسول اللہ لی لی ایم کے متعلق بے سروپا اعتراضات اور اپنے ماقبل کے مستشرقین کی پھیلائی ہوئی جھوٹی باتوں کی پوری قوت کے ساتھ تردید کرتے ہیں۔یہ کتاب 1933ء میں لندن سے شائع ہوئی وہ اپنے بیان میں اس قدر غیر متعصب اور بے لاگ مصنف نظر آتے کہ کسی کو ان کی نیت پر شبہ کرنے کی گنجائش نظر نہیں آتی بلکہ وہ اچھے خاصے عقیدت مند کی طرح بیان کرتے ہیں کہ

> مذاہب کے عظیم بانیوں میں سے شاید محمد صلی للہ نام ایک ہی شخص ہیں جن کی شخصیت تاریخی حیثیت سے بالکل واضح ہے اور خرافات نے ان کی شخصیت پر کوئی پردہ خفا نہیں ڈالا ہے۔

اوراس کے بعدعقیدت مندانہ انداز میں وہ رسول اللہ صلی الی یونین کے کارناموں کی تعریف کرتے ہیں بلکہ خراج عقیدت بھی پیش کرتے ہیں لیکن اس کے بعد یہ بھی کہتے ہیں؟ بلاشبہ عرب کے لوگ جنوں اور روحوں کی پوجا کرتے تھے اور روحوں کے حجری مجسموں میں جاگزین ہونے کے قائل تھے۔ان کے علاوہ قبیلہ قبیلہ کے الگ الگ بت بھی ہوتے تھے۔اسلام نے ان سب بتوں کونیست ونابود کر دیا،صرف ایک حجر اسود کو باقی رکھا شاید اس لئے اس سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا احترام مقصود تھا یا شاید یہ ایک سیاسی عمل تھا جس کے ذریعہ عربوں کے باہمی اتفاق کو باقی رکھنا مقصود رہا ہو۔

آپ نے دیکھا کہ فاضل پروفیسر نے کسی معصومیت کے ساتھ یہ یقین دلانے کی سعی فرمائی کہ رسول الل؟ صل الی ایم نے سیاسی مصلحت کے بنا پر ایک بت کو باقی رکھا اور اس حد تک بت پرستی کو اسلام میں جائز قرار دیا۔حالانکہ زمانہ جاہلیت میں بھی جب کہ عرب میں سینکڑوں بتوں کی پوجا ہوتی تھی،کبھی حجر اسود کی پوجا نہیں ہوئی اور نہ اسے زمانہ جاہلیت میں بتوں کے زمرہ میں شامل سمجھا گیا۔حجر اسود کا تو ذکر ہی کیا،اٹھارہویں صدی تک یورپ کے مستشرقین اور محققین یہ لکھتے رہے اور مشہور کرتے رہے کہ مسلمان جو ہر سال حج کو جاتے ہیں وہ اس لئے جاتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک نجی بت بنوا کر رکھا دیا ہے۔مسلمان اس بت کو مسجدہ کرنے کے لئے جاتے ہیں۔اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسوی صدی کے اوائل میں علمائے یورپ نے اس کی تردید کی اور ایک بار نہیں بار بار مختلف ممالک کے علماء نے اس کی تردید کی۔تب یہ خیال لوگوں کے دلوں سے محو ہوسکا اور شاید دور افتادہ دیہاتوں میں اب تک موجود ہوں۔

بہرحال جیسے جیسے علم کی روشنی پھیلتی گئی مسلمانوں کی کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوکر شائع ہوتی رہیں اور یہ انتہائی ناحق شناسی ہوگی کہ عرب کتب کے اصول متون کی تصحیح واشاعت اور ان میں سے بہت سی کتابوں کے یورپین زبانوں میں ترجمہ کرنے کی جو عظیم الشان خدمت پچھلے پانچ سو سال کے اندر یورپ کے مستشرقین نے انجام دی اس کے انکار کیا جائے یا ان کو کمتر درجہ کا کارنامہ قرار دیا جائے،اس کے لئے سینکڑوں مستشرقین نے اپنی عمریں صرف کیں،حکومتوں اور بادشاہوں نے لاکھوں روپے خرچ کئے،دولت مندوں نے بڑے بڑے اوقاف قائم کئے اور آج عربی کی بڑی بڑی اہم کتابیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں ان میں بہت سی کتابیں وہی ہیں جو ان ہی مستشرقین کی مساعی جمیلہ سے پہلی بار طبع ہوکر ہمارے ہاتھوں میں آسکی ہیں۔اسی طرح افتراء پردازی کا وہ بادل بھی آہستہ آہستہ چھٹ رہا ہے جو صدیوں تک قدیم مستشرقین اور پیشوایان دین کے بیانات اور ان کی تحریروں سے کسی قدر بدلا ہوا نظر آتا ہے۔اگرچہ اب بھی مقاصد میں کوئی بنیادی تبدیلی دکھائی نہیں دیتی ہے پادری زدیمر کے مقاصد تحقیقات اسلامی اور ڈاکٹر کنسٹوئیل اسمتھ کی تحقیقات میں مقاصد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔دونوں کی تحقیقات کو دیکھ لیجئے مقصد وہی استعماریت کی تائید اور اسلام کیخلاف نفرت پیدا کرنے کی سعی ہے۔

چار ادوار

مستشرقین یورپ کی اسلامی تحقیقات کو ہم سہولت کے لئے چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں:

1- پہلا دور ابتدائے اسلامی یعنی ساتویں صدی مسیحی سے لے کر پندرہویں مسیحی یعنی بیداری یورپ تک۔

2- دوسرا دور پندرہویں صدی کی ابتداء سے اٹھارہویں صدی کے اختتام تک۔

3- تیسرا دور انیسویں صدی کی ابتداء سے بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی کے ختم یعنی 1925ء تک

4- چوتھا دور 1926ء سے آج تک۔

دور اول میں یورپ کی حیثیت شاگردوں کی سی ہے اور مسلمانوں کی حیثیت استادوں کی سی، یہ دور تقریباً آٹھ سو سال کے طویل زمانہ پر مشتمل ہے، اس دور میں مسلمان اندلس میں صقیلہ میں اور جنوبی ایطالیہ میں حاکمانہ حیثیت رکھتے تھے ان کے بڑے بڑے علماء اور فلسفی ان علاقوں میں موجود تھے۔ اس وقت علم اور تمدن کے مالک مسلمان تھے ان ہی کی تہذیب، تہذیب تھی اور ان ہی کے علوم علوم سمجھے جاتے تھے۔

اس دور میں عیسائیوں کی ساری علمی زندگی پر ارباب کلیسا کا قبضہ ہے۔ پاپائے اعظم اور ان کے نائبین مسلمانوں سے مختلف علوم حاصل کرنے کی سعی کرتے تھے اور عربی کتب و رسائل جمع کرتے تھے۔ اسلامی قوانین کا تھوڑا بہت مطالعہ اس دور کے آخری حصہ میں کیا گیا۔ طب فلسفہ، فلکیات، زراعت اور قانون پر مسلمانوں کی تصانیف کا ترجمہ لاطینی اور فرینچ زبانوں میں ہوا، ابن رشد اور جابر بن اسحاق اور ابن سینا کی کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ یہ کام عموماً ایطالیہ میں اور کسی قدر فرانس میں ہوا لیکن نہایت دانائی کے ساتھ فارابی کو فاربس، ابن رشد کو ایوی راس، جابر کو جیبر اور ابن سینا کو ایوی سینا بنا دیا گیا اور طلبہ کو یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ یہ لوگ یورپین عیسائی نہیں بلکہ مسلمان تھے۔ اگرچہ یہ راز زمانہ مابعد میں راز نہ رہ سکا لیکن یورپ کے کچھ نہ کچھ لوگ اب بھی یہ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ یورچین اور مذہباً عیسائی تھے۔

اس دور میں مسلمانوں اور دین اسلام سے متعلق بڑے عجیب عجیب ہیبت ناک قصے ارباب کلیسا کی طرف سے پھیلائے گئے کچھ مسلمانوں کی سفاکی کے قصے اور کچھ قرآن مجید اور رسول اکرم صلی علی نام کے متعلق بے سروپا قصے، اسی زمانہ میں یورپ والوں کو باور کرایا گیا کہ مسلمان مکہ میں رسول اللہ صلی ال نیم کے برنجی بت کو سجدہ کرنے کیلئے جایا کرتے ہیں۔

اسی زمانہ کے مستشرقین کبار میں سرفہرست جو بردی اور الیاک ایک فرانسیسی راہب کا نام ملتا ہے۔ فرانس میں 1938ء میں پیدا ہوا اور 1003ء میں بمقام ویٹیکن وفات پائی، اس نے اندلس کے مدارس میں برسوں رہ کر تعلیم حاصل کی

اوراپنی قابلیت کی وجہ سے واپس آ کر بڑا نام پیدا کیا، واپسی پر وہ ایطالیہ میں مستقل اقامت گزین رہا حتی کہ 1999ء میں وہ پاپائے اعظم کے جلیل القدر عہدہ پر منتخب ہو گیا۔اس نے دو عربی مدرسے قائم کئے اور فلکیات و ریاضیات کی بعض کتابوں کے عربی ترجمے بھی کئے۔اس کے تراجم وتصانیف کا مجموعہ 1899ء میں برلن سے شائع ہوا ہے۔

اس دور کے مستشرقین میں اور الیاک کے علاوہ قسطنطین الافریقی المتوفی 1078ء میں جو دنی سانتا، وئی کویل، ایڈیلارڈ، پطرس یوحنا، ہرمان ڈینٹل مورلے، نیکل اسکاٹ لیونارڈ، تھامس، دی اکوین روجر بیکن، ریمنڈ لیو وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ یہ سب اندلس صقیلہ اور دیگر اسلامی ممالک کی درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرتے. ہیں اور بہت سی عربی کتابوں کے فرنچ اور لاطینی میں ترجمے کرتے ہیں،تقریباً یہ سب راہب یا کلیسا کے خدام ہیں، یہ لوگ کلیسا کی طرف سے مالی امداد پاتے ہیں اور استشراق میں مشغول رہتے تھے۔

اسی دور کا ایک بڑا فاضل اسے تورمیدا بھی ہے جس نے ایطالیہ میں تعلیم حاصل کی۔ بہت دنوں تک تو عیسائی خانقاہ کا مرشد اعلیٰ رہا اس کے بعد تیونس چلا گیا وہاں صدق دل سے مسلمان ہو گیا اور عبداللہ کے نام سے مشہور ہوا،تقریباً اسی سال کی عمر میں 1432ء میں وفات پائی۔اس کی قبر تیونس میں باب المنارہ میں ہے۔

شیخ عبداللہ تورمیدا کے علاوہ اور بہت سے اطالوی اور فرنچ مستشرقین نے مطالعہ کے ذریعہ دین حق کو پالیا اور مسلمان ہو گئے۔ان میں سے بعض نے اسلام پر لاطینی اور فرنچ میں کچھ رسالے بھی لکھے تھے۔خدا جانے یہ رسالے اب کہیں موجود ہیں یا ضائع کر دیئے گئے۔

اس دور میں یہودیوں نے قرآن مجید کے غلط نسخے تیار کر کے پھیلانے کی بھی ایک مہم چلائی جو کامیاب نہ ہو سکی اور ہر جگہ مسلمانوں نے ان کی تغلیط کی۔اسی طرح قرآن مجید کو مشکوک قرار دینے کے لئے شام اور عراق کے یہودیوں اور عیسائیوں نے بہت سی جھوٹی روایتیں بھی پھیلائیں۔کتابیں لکھ کر وفات پا چکنے والے بعض مسلمان علماء کی طرف سے منسوب کر دیں۔اس زمانے کے علماء نے اس کی تردیدیں کیں۔

دوسرا دور جو یورپ کی بیداری یعنی پندرہویں صدی مسیحی سے اٹھارہویں صدی کے ختم تک تقریباً (400) سال پر مشتمل ہے، دولت عثمانیہ ترکی کی اقبال مندی کا زمانہ ہے، 1453ء میں قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور بہت سے ممالک یورپ عثمانیوں کے زیر نگین آ گئے، دوسری طرف یورپ میں عام بیداری پیدا ہوئی،کلیسا کے خلاف بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا، ہر طرح کی سیاسی تعلیمی اور سماجی اصلاحات شروع ہوئیں۔اسی زمانہ میں مستشرقین کے کارنامے بھی بہت زیادہ دکھائی دیتے ہیں اور ان کا لب ولہجہ بھی اسلام کیخلاف بہت ہی تلخ ہو جاتا ہے۔یہ تلخی درحقیقت عثمانی فتوحات کے خلاف جذبات کی فراوانی

سے پیدا ہوئی تھی۔

اسی دور میں ان کے کارنامے یہ ہیں کہ انہوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر عربی کتابوں کے قلمی نسخے نکالے اور ان کو طبع کر کے شائع کیا، ان کے ترجمے کئے اور اس کے لئے بادشاہوں نے خزانوں کے دروازے کھول دیئے۔ عالموں نے اپنی عمریں وقف کر دیں۔ ان کارناموں کے علاوہ خود یورپین زبانوں میں اسلام پر اس دور میں بکثرت کتابیں لکھی گئیں اور مطبع کی ایجاد نے ان کتابوں کی بکثرت اشاعت کو آسان کر دیا۔

اس دور میں یورپین اقوام نے مشرق کی سرزمین ایشیاء وافریقہ پر قبضہ جمایا، مستعمرات اور یورچین مقبوضات کا یہی زمانہ ہے، انڈونیشیاء، ملایا، ہندوستان، صومالیہ اور جنوبی مغربی ومشرقی افریقہ پر نیدرلینڈ، فرانس، جرمنی، برطانیہ اور ایطالیہ کے تسلط کی ابتداء اسی دور میں ہوئی۔ جن علاقوں پر ان مستعمرین نے قبضہ کیا تھا ان میں سے اکثر میں مسلمانوں کی بڑی ہی نہیں بلکہ اکثریتی آبادیاں تھیں، قبضہ اور تسلط قائم رکھنے کیلئے ضروری تھا کہ ان کی زبانیں سیکھی جائیں، ان کے عقائد وروایات سے واقفیت حاصل کی جائے۔ ان کو آپس کے اختلافات میں الجھایا جائے ان کی حمیت دینی کو کم کرنے کیلئے ان کے یقین کو شک سے بدلا جائے ان کے ایمان وعقیدہ کو وہم اور غیر ثابت شدہ خیال قرار دیا جائے۔

ان مقاصد کے لئے یورپین ممالک خصوصاً فرانس اور جرمنی نے بڑی جدوجہد کی، اس وقت ان کے سامنے ایک اہم ترین مسئلہ یہ بھی تھا کہ دولت عثمانیہ کی قوت کو کس طرح توڑا جائے، اس کام کیلئے یہ ضروری تھا کہ عربوں اور ترکوں کے درمیان نہ صرف منافرت اور دشمنی پیدا کر دی جائے بلکہ اس منافرت کو دوامی صورت دیدی جائے، اس مقصد کے لئے فرانس کے بادشاہ لوئیس ۱۴ نے بے دریغ دولت صرف کی۔ مستشرقین اور مشرق شناسوں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر ان سے عربی قومیت، عربی تمدن، عربی رسم ورواج اور عربوں سے متعلق دوسرے امور پر کتابیں لکھوائی گئیں عربوں کی تعریف وتوصیف کے گیت گائے گئے۔

اس زمانہ کے مستشرقین کا بڑا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ وہ ایسے ثبوت فراہم کریں جس سے اس امر کی تائید ہو کہ عرب اسلام سے پہلے ہی بڑی عزت وشان کے مالک تھے اسلامی تاریخ عربوں کے مجد وشرف کی تاریخ کوئی نہیں لکھتا تھا، لیکن اس دور کی آخری دو صدیوں میں یورپین حکومتوں نے مستشرقین کے ذریعہ عربوں کو ترکوں کیخلاف کھڑا کرنے کی منظّم جدوجہد شروع کی، عربی ممالک میں تحقیقاتی وفود کی ابتدائی ہوئی، آثار قدیمہ نکالے جانے لگے اور عربوں کو وطنی قومیت کیلئے تیار کیا جانے لگا جس کا نتیجہ تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد بیسویں صدی کے اوائل میں خاطر خواہ نکلا۔

اس دور کی آخری دو صدیوں میں اسلام کیخلاف کتابوں اور رسائل کی تالیف واشاعت کا کام ایطالیہ اور فرانس تک

محدود نہ رہا بلکہ ان ہی مما لک میں تعلیم حاصل کرنیوالے کے ذریعہ یورپ کے دوسرے مما لک تک پھیل گیا، خصوصاً جرمنی اور نیدرلیڈ میں مطالع قائم ہوئے اور لوگ اس سلسلہ میں کام کرنے لگے۔ آخر انگلستان میں بھی تعلیمی اور اشاعتی ادارے قائم ہو گئے۔

اس دور کے مشاہیر مستشرقین میں اولین نام مسٹر جی پوسٹل کا آتا ہے یہ نارمنڈی کے ایک قصبہ بارنٹون میں 1505ء میں پیدا ہوئے اور 1851ء میں وفات پائی۔ ان کو بادشاہ وقت نے جاگیر بھی دی تھی۔ انہوں نے ترکی اور دیگر اسلامی مما لک کے سفر کئے، بہت ہی قلمی کتابیں خریدیں اور عربی وعبرانی زبان دانی اور مسلمانوں کے عقائد ورسوم پر متعدد کتابیں لکھیں۔ یہ ایک مذہبی پیشوا تھے اور آخر عمر میں مذہب عیسوی میں بعض نئی باتیں پیدا کرنے کے جرم میں حکومت فرانس نے انہیں قید کر دیا تھا۔ ان کی وفات بھی قید خانہ میں ہوئی، ان کے علاوہ اس دور کے مشاہیر مستشرقین میں بھی ویٹر (1613ء۔1977ء) بی ڈی بر بیلو (1625ء۔ 1695ء) انطون گالان (1646ء- 1715ء) پادری ریٹاؤڈو (1647ء۔1720ء) اور پادری بارتیلمی (1716ء۔1795ء) وغیرہ نے اپنے اپنے انداز میں اسلام پر کتابیں لکھیں۔

یہی وہ زمانہ ہے جب کہ کلیسا کا طلسم ٹوٹا اور اس دور کے آخر میں کچھ ایسے مستشرقین بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے پیشرو مستشرقین کی تردید کی لیکن ان سے اکثر نے کچھ نئے شبہات بھی پیدا کر دیئے۔

تیسرا دور انیسویں صدی کی ابتداء سے 1925ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں عربی کتابوں کی تصحیح میں عربی زبان اور اسلام کے مطالعہ کے لئے خاص شعبے قائم ہوئے، عربی اور ترکوں کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی مہم بہت تیزی کر دی گئی، اسلامی کتابوں کے ترجمے بکثرت شائع ہوئے، اس زمانہ میں اسلامی تحقیقات کے نام سے اندرونی اختلافات اور جدید فرق اسلامیہ پر بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں، عربی قلمی کتابوں کی تشریحی فہرستیں شائع ہوئیں، تقریباً ہر ملک میں ایشیائی سوسائٹیاں وجود میں آئیں۔

یونٹ نمبر2

مستشرقین کی اقسام

تحقیقات کے مثبت اور منفی اثرات کا جائزہ

ترتیب وتدوین
ڈاکٹر ثناءاللہ حسین
شعبہ قرآن وتفسیر

یونٹ کا تعارف

انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اول تک کا زمانہ مسلمانوں اور مستشرقین کے لئے متعدد اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔ پچھلی صدیوں میں عالم اسلام کو کافی مشکلات سے گزرنا پڑا اور ان کے پرانے حریف "مغرب" کو زمانہ بیداری کے بعد، سیاسی، عسکری، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں مسلسل تفوق و بالادستی حاصل ہوتی چلی جارہی تھی۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے لئے کیسی ہی اذیت ناک کیوں نہ ہو، اقوام مغرب کے لئے بہرحال خوش آئند تھی اور اس سے برابر کا فائدہ مستشرقین نے بھی اٹھایا۔ چنانچہ یہ دور (1900ء تا 1925ء) تحریک استشراق کے عروج و کمال سے عبارت تا و ہے۔ پھر تحریک استشراق کا دور عروج و کمال بیسویں صدی کے اوائل تک رہا اور ہر پہلو سے استشراقی سرگرمیوں نے فروغ پایا۔ اس دور میں قرآن کریم اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم کو بطور خاص نشانہ بنایا گیا۔ قرآن کے متن اور نزول و ترتیب کو زیر بحث لاکر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ ہم عصر مصدر ہونے کے باوجود قرآن کریم سیرت رسول صلی ندیدیم کا مستند و معتبر ذریعہ معلومات نہیں۔ حدیث کے سلسلے میں انکار کے لئے حدیث کے کذب وافتراء اور التباس کی داستانوں کو اچھالا گیا۔ نالدیکے اور گولڈزیہر وغیرہ نے تو انکار حدیث کے مکتب فکر کو بطور خاص فروغ دیا۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- چند مشہور مستشرقین کو جان سکیں۔
2- معتدل مستشرقین میں کون کون سے مستشرقین داخل ہیں۔
3- متعصب مستشرقین میں کون کون سے مستشرقین داخل ہیں۔
4- مستشرقین کے علمی کام کے مثبت پہلوؤں پر نوٹ لکھیں۔

مستشرقین کی اقسام.....مثبت اور منفی اثرات کا جائزہ

اعتدال پسند مستشرقین

مستشرقین کا وہ گروہ جو اپنے آبائی مذہب پر سختی سے کاربند ہونے کے باوجود اسلام کے بارے میں مثبت رائے رکھتا ہو اور سیرت ﷺ سے بہت حد تک متاثر ہو۔ ان میں سے چند ایک مستشرقین درج ذیل ہیں۔

(1) کاسن دی پرسیول

یہ ایک فرانسیسی مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ 1795 ء سے 1871ء تک تھا۔ اس کے آثار میں ایک تاریخ العرب ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کی دوسری کتاب کا تعلق قبل از اسلام اور عہدِ رسالت سے متعلق ہے۔ سید امیر علی نے اپنی کتاب "A crititcal examination of the life and teaching of Muhammad" کے مقدمہ میں کاسن کے کام کو عالمانہ اور تحقیق سے بھرپور قرار دیا ہے۔

(2) مائیکل ایچ ہارٹ

مائیکل نے ایک سو عظیم شخصیات پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ اس نے اپنی کتاب "The 100, A ranking of the most influential persons in History" میں حضرت محمد ﷺ کا نام سرفہرست رکھا اور اس کی وجہ وہ اس طرح بیان کرتا ہے۔

''محمد صلی الم نے تاریخ انسانیت پر بے مثال دینی اور دنیاوی اثرات ڈالے ہیں۔ وہ میری نظر میں اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں تاریخ انسانی کی موثر ترین شخصیت قرار دیا جائے''۔

مائیکل دوسری طرف محمد ﷺ کو تعصب کی نگاہ سے بھی دیکھتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"Moreover, he is author of the muslims holy scriptures, the Koran, a collection of certain of Muhammad's insights (that he believed had beendirectly revealed to him by Allah")

''مزید برآں وہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن کا مصنف ہے جو محمد ﷺ کے خیالات کا مجموعہ ہے اور جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ ان پر اللہ کی طرف سے براہ راست نازل ہوئی۔''

مائیکل کی اگر پہلی عبارت پر نظر دوڑائی جائے تو وہ اسلام کا خیر خواہ نظر آتا ہے۔لیکن دوسری عبارت میں آنحضور ﷺ نام سے متعلق یہ غلط بیانی کرنا کہ آپ صلی اللہ ہم نے قرآن مجید خود لکھا ہے ایک تعصب پر مبنی سوچ ہے۔

متعصب مستشرقین

اس گروہ میں وہ یورپی مستشرقین شامل ہیں جنہوں نے غیر جانبداری اور بے لاگ علمی تحقیق کے لبادے میں اسلام کے متعلق خرافات پیش کی ہیں ہم ان کے نمونے پیش کرتے ہیں۔

ایک فرانسیسی مستشرق کیمون اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

''محمد ﷺ کے قرب کی مثال ایک بجلی کے کھمبے جیسی ہے جو مسلمانوں کے دماغوں میں جنون پیدا کرتا ہے اور انہیں ایسے کام کی طرف ترغیب دلاتا ہے جو مرگی کے مریض اور مخبوط الحواس لوگ کرتے ہیں۔ اس کے اثر سے مسلمان مسلسل لفظ اللہ کا تکرار کرتے رہتے ہیں اور وہ ایسی چیزوں کے عادی بن جاتے ہیں جو سادہ طبیعتوں کا خاصا ہیں۔مثلاً خنزیر کا گوشت کھانے،شراب نوشی اور موسیقی سے نفرت اور جو چیزیں سفاکی اور بدکاری کے خیالات سے جنم لیتی ہیں۔''

یہی مستشرق ایک اور جگہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی کتاب میں اس طرح لکھتا ہے:

''دین محمدی (نعوذ باللہ) جذام کا مرض ہے جو لوگوں میں پھیل رہا ہے۔اس مرض نے لوگوں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے، یہ ایک عام فتنہ اور ایسا جنون ہے جو سب کچھ فراموش کر دیتا ہے۔جو انسان کو سستی اور کاہلی پر ابھارتا ہے۔جو آدمی اس مرض میں مبتلا ہوا سے قتل و غارت،شراب نوشی اور بدکاری کی دعوت کے سوا کوئی چیز سستی اور کاہلی کے اس جال سے نہیں نکال سکتی۔''

یہ تحریریں یہ بات واضح کرتی ہیں کہ یہ مستشرقین نہ تو علم کے شائق ہیں اور نہ ہی تحقیق سے ان کا کوئی تعلق ہے۔وہ علم اور تحقیق کا نام لے کر اسلام پر حملہ کرتے ہیں۔مستشرقین کے اس طبقہ نے جو رویہ اختیار کیا اس کے اسباب تاریخی ہیں کیونکہ اسلام نے یہودیت اور عیسائیت کو عسکری میدانوں میں شکست دی تھی اس سے کئی ممالک میں ان کی رسوائی ہوئی نیز اقتدار اور وقار بھی ان کے ہاتھ سے چلا گیا تھا۔اس طبقہ میں چند ایک مستشرقین اور بھی ہیں۔

(3) ایڈورگبن

اس کا زمانہ 1737ء تا 1794ء تھا۔یہ ایک انگریز مورخ تھا۔اس کی شہرت کی وجہ اس کی کتاب "تاریخ زوال

رومہ" ہے۔ نیز یہ انگریزی تاریخ نگاری میں بھی کافی شہرت کا حامل ہے۔اس نے اپنی کتاب کے پچاسویں باب میں پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق نہایت معاندانہ خیالات کا اظہار کیا اور رواداری کے نام نہاد دعویٰ کے باوجود رسول ﷺ نام کے بارے میں بہت ہی نامناسب الفاظ اور زبان استعمال کی۔

(4) ولیم میور

ولیم میور مشہور انگریز مستشرق تھا۔عربی کا عالم اور انگریز سرکار کا نمائندہ بھی تھا۔1857ء کی جنگ آزادی میں آگرہ میں شعبہ جاسوسی کا سربراہ تھا اور متعدد کتابیں اس سے منسوب ہیں۔ولیم میور نے "The Life of Muhammad" کے نام سے کتاب لکھی۔ یہ کتاب چار جلدوں میں پہلی مرتبہ 1858ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب کا جواب سرسید احمد خاں نے اپنی کتاب ''خطبات احمدیہ میں دیا ہے۔اس کا بھائی جان میور بھی مستشرق تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم بھی تھا۔

پیشہ در مستشرقین

استشراق کی تحریک کی بنیاد ہمیشہ استعمار کی طرف سے ملنے والی مالی امداد اور سماجی حیثیت پر بھروسا کرتی رہی ہے اور مستشرقین یورنیورسٹیوں، تحقیقی اداروں اور میڈیا کے بڑے بڑے عہدوں کی شکل میں اپنی کوششوں کا انعام پاتے رہے ہیں۔ اہل مغرب خواہ یہودی ہوں یا عیسائی ان کے نامناسب عزائم چاہے دینی ہوں، سیاسی یا اقتصادی، ان کی تکمیل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام رہا ہے۔ علاوہ ازیں استعماری طاقتوں کی نظر اسلامی ممالک کے ذخائر پر بھی ہے، ان استعماری ارادوں کے راستے میں امت مسلمہ ایک دیوار کی مانند کھڑی تھی۔اس لیے ہر وہ شخص جو اس دیوار کو منہدم یا کمزور کرنے کی کارروائیوں میں کسی بھی حیثیت میں شریک ہوتا وہ پادریوں کا بھی منظور نظر ہوتا اور سیاست دان بھی اس کی پذیرائی کرتے۔ اس وجہ سے لاتعداد مدعیان علم دولت، شہرت وحشمت کی اس دیوی کی خاطر اسلام کی اس دیوار کو منہدم کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔انہوں نے عالم اسلام اور اسلامی ادب کے ذخیرے کو خوب کھنگالا تا کہ کوئی ایسی چیز مل جائے جس کے ذریعے مسلمانوں کے کردار کو داغ دار کیا جائے۔مسلمانوں کی ان خامیوں کو نوٹ کیا جائے جن کے ذریعے انہیں باہم لڑا کر انہیں کمزور کیا جائے۔

ملحد مستشرقین

یورپ میں جب مذہب اور سائنس کے درمیان تصادم شروع ہوا تو یورپ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو علم کے پیاسے تھے لیکن ان کے ساتھ پاپائے روم کا جو سلوک تھا اس کو ڈاکٹر ڈریپر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''پاپائے روم کے ہاں ہر وہ عیسائی کافر تھا جو کلیسائی ذہن سے بالاتر ہو کر سوچتا، علمی کتابیں لکھتا، سائنسی انکشافات کرتا، مسلمانوں کی تہذیب یا کسی اور بات کو اچھا سمجھتا یا ہر روز نہاتا تھا۔ ایسے کافروں کو سزا دینے کے لئے پاپا نے 1478ء میں ایک مذہبی عدالت قائم کی۔ اس عدالت نے پہلے سال دو ہزار اشخاص کو زندہ جلایا اور ستر ہزار کو قید و جرمانہ کی سزا دی۔ دس برس میں اس نے ستر ہزار افراد کو آگ میں پھینکا۔ ستانوے ہزار تین سو اکیس کو قید و بند کی سزا دی اور ساتھ ہی مختلف علوم کی چھ ہزار کتابیں جلا دیں۔ پوپ کی مرکزی، مذہبی عدالت نے 1481، اور 1808 کے درمیانی عرصہ میں تین لاکھ چالیس ہزار افراد کو نہایت المناک سزائیں دیں۔ ان میں سے ہیں ہزار کو زندہ جلایا گیا۔

انسانیت پر اس ظلم کی وجہ سے علم کے شیدائی مذہب کے دشمن ہو گئے۔ مذہب اور کلیسا میں ایک طوفان اٹھا اور یہ طوفان پوپ اور کلیسا کے اختیارات کو بہا کر لے گیا۔ اہل مغرب نے مذہب کو زندگی کے معاملات سے فارغ کر کے گرجے میں بند کر دیا جہاں ہر اتوار کے روز چند میسائی اپنے قید کی مذہب کی زیارت کے لئے چلے جاتے۔ اسی تناظر مسلم ممالک میں بھی مذہب کو انفرادی معاملہ قرار دیتے اور اسے معاشرتی زندگی سے لاتعلق کرنے کی سعی کی گئی اور یورپ کے اس تجربہ کا عکس اسلام کے آئینہ صافی میں دیکھنے کی بھی کوشش کی گئی حالانکہ اسلام کلیسا کی طرح علم کا دشمن نہیں رہا بلکہ وہ تو مہد سے لے کر لحد تک علم حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

اس صورت حال کی وجہ سے یورپ میں الحاد کی تحریک نے زور پکڑا۔ اہل یورپ کی قومی زندگی کا ہر شعبہ عملا ان لوگوں کے قبضے میں چلا گیا جو عیسائی کہلاتے تھے لیکن سوچ ملحدانہ تھی اور ان کا عمل بھی ملحدانہ تھا۔ زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح استشراق کی تحریک میں ملحد بھی شامل ہو گئے۔ ان ملحدوں کو استشراق کی شکل میں ایک میدان میسر آ گیا جس کے لبادے میں انہوں نے مذہب کے خلاف اپنی کارروائیاں جاری رکھیں۔

والنٹیئر، ایک ایسا ہی ملحد تھا، وہ کلیسا کا شدید ترین دشمن تھا لیکن اس نے کبھی کھل کر بنو اسرائیل کے کسی نبی پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی کسی پوپ وغیرہ کو براہ راست اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس صورت میں کلیسا، عوام اور حکومت کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا۔ چنانچہ اس صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے تمام ادیان اور ان کے بانیوں پر کیچڑ اچھالنے کے لئے حضور صلی علی نام کی ذات بابرکات کو بطور رمز استعمال کیا۔ اس نے حضور ﷺ پر ایسے رکیک حملے کیے جن کی ہمت اس سے پہلے کسی کو نہ تھی۔ اس مستشرق نے گویا انتہا کر دی تھی اور اپنی تحریروں میں حضور ﷺ کے متعلق انتہائی نازیبا کلمات استعمال کیے۔ اس نے اپنے اس کارنامے پر پوپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی کتاب کا انتساب پوپ کے نام کر دیا۔ اس طرح اس ملحد مستشرق نے کلیسا اور اسلام دونوں کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس بھی نکالی اور

اسے کسی خطرے کا سامنا بھی نہ کرنا پڑا۔

یہ بات صرف اسی مستشرق تک ہی محدود نہ رہی بلکہ جن لوگوں نے افسانوں اور ناولوں کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے کردار کو مسخ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ان میں کثیر تعداد اسی قسم کے ملحد مستشرقین کی رہی ہے۔

نومسلم مستشرقین

مستشرقین میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام پر تصحیح تحقیقات کیں اور جنہیں توفیق خداوندی سے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ذیل میں ہم چند خوش نصیب لوگوں کا ذکر کریں گے جن کو ان کی تحقیق اور توفیق خداوندی نے منزل مراد تک پہنچایا اور انہوں نے کلمہ توحید پڑھ کر دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کی۔

رسل ویب (Russel Webb)

ان کا تعلق امریکہ سے تھا۔ یہ ادیب، مصنف اور صحافی تھے۔ ان کا پورا نام محمد الیگزینڈر رسل ویب ہے۔ سینٹ جوزف گزٹ اور میسوری ریپبلیکن کے ایڈیٹر رہے۔ 1887ء میں ریاست متحدہ امریکہ کے کونسلر مقرر ہوئے۔ اسلام کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''میں گہرے اور وسیع مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو انسان کی روحانی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ بعض نوجوانوں کے برعکس میں ابتداء سے مذہب کے ساتھ اچھا لگاؤ رکھتا تھا مگر بیس سال کی عمر میں جونہی شعور بیدار ہوا چرچ کی خشک اور بے معنی رسومات و قیود سے سخت بیزار ہو کر، عیسائیت سے متنفر ہو کر میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا لیکن کوئی مذہب مجھے مطمئن نہ کر سکا۔ آخر اسلام کو پڑھنے کا موقع ملا تو حق واضح ہو کر سامنے آ گیا۔ یاد رہے میں نے اسلام کو کسی جذباتی ردعمل، اندھی عقیدت یا محض سطحی جوش سے متاثر ہو کر قبول نہیں کیا بلکہ اس کے پیچھے ایک طویل مخلصانہ، دیانتدارانہ اور قطعی غیر متعصّبانہ مطالعہ اور تحقیق کارفرما ہے۔''

علامہ محمد اسد (پولینڈ) The Message of the Quran

آپ کا پہلا نام ''لیوپولڈ ویس'' تھا۔ 1900ء میں پیدا ہوئے۔ بائیس سال کی عمر میں مشرق وسطی کا سفر کیا۔ جرمنی کے ایک اخبار ''فرانکفرٹر'' نے ان کو مشرق وسطی کے لیے اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ انہوں نے تفصیل کے ساتھ اسلام کا مطالعہ کیا۔ قبول اسلام کے بعد تقریباً چھ برس تک مدینہ منورہ اور سعودی عرب کے دیگر شہروں میں مقیم رہے پھر برصغیر آ گئے اور کئی سال

تک علامہ اقبال کے قریب رہنے کا شرف حاصل کیا۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں حکومت کی زیر سرپرستی ایک جدید محکمہ اسلامی تشکیل جدید کی تنظیم ونگرانی پر مامور کیا گیا۔ بعد میں ان کی خدمات محکمہ خارجہ کو منتقل کر دی گئیں اور ان کا تقرر وزارت خارجہ میں مشرق وسطی میں افسر اعلیٰ کی حیثیت سے ہوا۔ بعد میں وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے مندوب کی حیثیت سے بھی رہے۔ ان کا قیام پاکستان، سعودیہ کے علاوہ مراکش میں بھی رہا۔ انہوں نے اپنی زندگی تحقیق وتصنیف کے لئے وقف کر دی۔

The Message of the Quran کے نام سے ترجمہ وتفسیر کا نہایت وقیع علمی کام کیا۔ احادیث رسول ﷺ پر بھی ان کا کام ہے۔ ''اسلامی تشکیل جدید'' کے مجلّے "Arafat" کے مدیر مسئول رہے۔ ان کی تین کتابیں "A Road to Mecca, Islam at the Crossroads" بہت مشہور ہیں۔

علاؤالدین شلبی

آپ ایک جرمن مفکر تھے۔ اسلام کے متعلق آپ اس طرح فرماتے ہیں:

''میں نے مغرب کی گمراہی کو محسوس کیا کہ الحاد اور سرمایہ داری کے مادی نظاموں میں سرگرداں ہیں وہ لوگ جو اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے دوسروں کے حقوق غصب سکرتے ہیں۔ اس تاریک ماحول میں، میں نے محسوس کیا کہ اسلام تمام ادیان کا نچوڑ ہے۔ میں اسی کشمکش میں مبتلا تھا کہ ایک روز میری نظر قرآن پڑھتے ہوئے اس آیت کریمہ پر پڑی (فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ) دوڑو اللہ تعالیٰ کی طرف میں نے سوچا کہ میں کہاں جاؤں۔ آخر کار قاہرہ (مصر) جانے کا فیصلہ کیا اور اتفاق سے میں نے ایک مجلس میں شمولیت اختیار کی جس میں اکناف عالم سے آئے ہوئے مسلمان رنگ ونسل کی تمیز کے بغیر ذکر اللہ میں مصروف تھے اور میں بھی اس مجلس میں شامل ہو گیا۔ میں اس وقت تک اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین آدمی سمجھ رہا تھا جب میرا ہاتھ ایک سیاہ فام مسلمان بھائی کے ہاتھ میں تھا اور ہم اللہ احد پڑھ رہے تھے۔ سچ ہے اسلام وہ دین ہے جو کبھی مغلوب نہ ہوگا۔''

قرآن کریم ایک مکمل قانونِ ہدایت ہے

پروفیسر ہربرٹ وایل لکھتے ہیں:

" قرآن کریم جو اخلاقی ہدایتوں، دانائی کی باتوں سے بھرا ہوا ہے ایسے وقت میں دنیا کے سامنے پیش ہوا، جبکہ ہر طرف جہالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ زمین پر ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں نیکیوں کا رواج ہو

اورکوئی جماعت ایسی نہ تھی جوسیدھے راستہ پر چلتی ہو،قرآن نے عالم انسانیت کی زبردست اصلاح کی اور وحشیوں کوانسان کامل بنادیا۔جن اشخاص نے اس کے مضامین پرغور کیا ہے وہ اس بات کوسمجھ سکتے ہیں کہ وہ ایک مکمل قانون ہدایت ہے۔انسانی زندگی کی کوئی بھی شاخ لے لیجئے ناممکن ہے کہ اس شعبہ میں اس کی تعلیمات رہنمائی نہ کرتی ہو میرا خیال ہے کہ اگر اس کی تعلیمات پرعمل کیا جائے تو ایک سمجھدار آدمی بیک وقت دنیوی اور روحانی ترقی کرسکتا ہے۔مثلاً راست بازی، پرہیزگاری، رحم وکرم عفت و عصمت،قرآن میں یہ سب ہدایتیں موجود ہیں اور اگر ان اخلاق کو لیجئے جن کا تعلق دنیوی ترقی سے ہے مثلاً محبت،شفقت،عزم واستقلال، جرآت،شجاعت تو ان ہدایتوں سے بھی قرآن معمور ہے۔بہرکیف وہ ایک حیرت انگیز قانون ہدایت ہے۔''

فرنچ مستشرق موسیو گاسٹن کے بقول قرآن کریم امن عالم کا ضامن ہے

نامور فرنچ مستشرق موسیو گاسٹن کار نے فرانس کے مشہور اخبار ''فگارو'' میں ایک نہایت دلچسپ سلسلہ وار مضامین 1330ھ میں شائع کئے،جس کا عنوان تھا''اگر اسلام زمانہ سے معدوم ہوگیا تو امن وامان قائم رہ سکے گا؟ جس کا ترجمہ اس زمانہ میں بیروت کے مشہور اخبار البلاغ"(مطبوعہ 13 صفر 1330ھ) نے شائع کیا۔اس کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''یہ ایک کھلی،صاف اور واضح بات ہے کہ اسلام حقیقت میں ایک طرح کا اجتماعی مذہب (Social Religion) ہے جس کو دنیا کی دو تہائی حصہ آبادی دین حق تسلیم کرتی ہے اور گویا دنیا کی ہستی اس مذہب کی بقاء پر منحصر ہے ہمیں معلوم ہے کہ اس عاقلانہ مذہب کے قانون قرآن کریم میں وہ تمام فوائد و مصالح موجود ہیں،جس سے زمانہ حال کا تمدن بنا ہے اور جو گویا اسلام ہی کے امتزاج عناصر کا نتیجہ ہے۔اس حیرت انگیز سائنٹفک مذہب اسلام نے دنیا کی عمرانی ترقی کے لئے ہر قسم کے بنیادی وسائل اور ذرائع یورپ کو بہم پہنچائے ہیں۔گو ہم میں کوئی شخص بھی اس کی فضلیت کا اعتراف نہ کرنے اور اس کے احسان کا رہین منت نہ ہو مگر امر واقعی یہی ہے۔''

اپنے اس مضمون میں مستشرق موصوف سوال کرتا ہے کہ''روئے زمین سے اگر اسلام مٹ گیا مسلمان نیست ونابود ہوئے،قرآن کی حکومت جاتی رہی تو کیا یہ سب کچھ ہوجانے سے دنیا میں امن وامان قائم رہ سکے گا؟(اور پھر جواب دیتا ہے کہ)نہیں ہرگز نہیں''۔

قرآن مجید کے علوم ومعارف پر عقل حیرت زدہ ہے

کونٹ ہنری دی کاسٹر اپنی کتاب ''الاسلام میں جو کونٹ نے فرنچ میں لکھی اور جس کا ترجمہ مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بیک زاغلول نے 1898ء میں شائع کیا، لکھتے ہیں:

''قرآن کی وحی کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے کیونکہ ارباب بحث اس کو معقول طور پر حل نہیں کر سکتے۔ عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا۔ جو بالکل اُمّی تھا۔ تمام اہل مشرق نے اقرار کیا ہے کہ اس کلام نے نوع انسانی لفظ ومعنا ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کیا ہے۔ وہی کلام جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن الخطاب کو مطمئن کر دیا اور وہ اس کے کلام الٰہی ہونے کے معترف ہو گئے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب عیسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت کے متعلق اس کی آیات جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے پڑھیں تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ (علیہ السلام) کا کلام نکلا تھا۔''

''محمد ﷺ کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے اور وہ اس وقت سے تاحال ایک ایسا مہتم بالشان راز چلا کہ جس کے طلسم کا توڑنا انسان کی طاقت میں نہیں ہے۔''

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ ایسے مستشرقین کی تعداد بھی کم نہیں جو اپنے ہم مذہب مستشرقین کے رویے کے برعکس تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی مدون ومرتب ہو چکا تھا اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

یہ اعتراف حقیقت بعض دفعہ وہ مستشرقین بھی کرتے ہیں جو عیسائیت کے کٹر داعی ہوتے ہیں ان میں سے ایک ولیم میور بھی ہے جو لکھتا ہے:

> ''ارکان اسلام کی بنیاد اس مقدس وحی پر ہے جس کا کوئی نہ کوئی حصہ روزانہ کی نماز میں پڑھنا واجب ہے۔ نماز کے بعض ارکان میں اس ''مقدس وحی کی تلاوت فرض اور بعض میں سنت ہے اور صدر اول ہی سے مسلمانوں کا اس پر اجماع تھا جس کے احکام وہ مقدس وحی سے مستنبط کرتے ہیں۔ اسی ضرورت (نماز میں پڑھنے) کے لئے صدر اول کا ہر مسلمان قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کر لیتا تھا جسے وہ اپنی زندگی کا گراں بہا سرمایہ سمجھتا تھا۔ عرب کے رہنے والوں کے لئے جنہیں اشعار وانساب وروایات حفظ کر لینے کی (ایام) جاہلیت سے عادت پڑی ہوئی تھی، قرآن کی آیتیں حفظ کر لیا اور بھی سہل تھا۔۔۔۔

مگر ہم اہل عرب کی اس مافوق العادت قوت حافظہ کے باوجود تسلیم نہیں کر سکتے کہ اسی ایک طاقت کے بل بوتے پر پورا قرآن محفوظ رہ گیا۔ بلکہ ہمارے سامنے ایسے دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے اصحاب میں اکثر افراد نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی ہی میں قرآن کی متفرق سورتیں املا بھی کر رکھی تھیں جس کے مجموعے میں تقریباً سارا قرآن سمٹ آیا تھا۔''

ان آراء اور اقوال کے اثرات

یورپ کے مستشرقین اور محققین وفضلاء کے مذکورہ بالا اقتباسات پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اسلام پر اعتراض میں وہی طبقہ پیش پیش ہے جو شبانہ روز اسلامی قوانین اور احکام کا مذاق اڑانے کو اپنا سب سے بڑا کارنامہ سمجھتا ہے اور جس نے غالباً قرآنی مطالب ومعانی کے مطالعہ پر حقیقتاً غور وفکر کے ادنی لمحات صرف نہیں کئے اور یا جس کا ماسوا عیش پرستی خواہشات نفسانی کے کوئی مشرب ہی نہیں۔لیکن یورپ میں جہاں دین اسلام کا مذاق اڑانے والے بستے ہیں وہیں ایسے محققین بھی موجود ہیں جنہوں نے باوجود اپنی عصبیت کے کتاب وسنت کے قوانین اور شریعت اسلامیہ کی جامعیت اور قوانین مذہب اسلام کو سرچشمہ ہدایت مانا اور اس کا اقرار کیا کہ قرآن بلاشبہ ایک کامل واکمل دستور حیات ہے جو ہر زمانے کے لئے اپنی ہدایات جاری کر سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا مستشرقین جن کے بعض متعصب افراد قرآن کریم کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تعلیمات قرآنی سے لوگوں کو منحرف کیا کرتے تھے ،مگر تھوڑے عرصہ میں ان کے اندر ایسے ارباب فکر پیدا ہوئے جنہوں نے بجائے مخالفت کے قرآنی مضامین میں غور وفکر کرنا شروع کیا، پھر کیسے ممکن تھا کہ تشخص کے بعد ان پر فرقان حمید کے تاثرات پیدا نہ ہوتے ؟

آج ہمارے یہاں کا وہ طبقہ جو شبانہ روز مذہب بیزاری کا نام لے کر اسلامی تعلیمات ہی کو جاری نہیں ہونے دینا چاہتا۔اگر وہ قرآن کریم کے مطالعہ کا شوق پیدا کرنے ،جن علوم کی قرآن مجید کی فہم وبصیرت کے لئے ضرورت ہے، انہیں حاصل کرے تو ممکن نہیں ہے کہ ان کے طرز فکر پر قرآن حکیم اپنے اثرات مرتب نہ کرے۔

ایک سوال کا جواب

ہم متعدد دوسرے غیر مسلم روشن خیال حضرات جیسے جارج برنا ڈ شا(George Bernard Shaw)، جان ڈیون پورٹ وغیرہ کے ناموں کا اضافہ کر سکتے ہیں جنہوں نے اللہ کے اولوالعزم پیغمبر محمد ﷺ کو بدریغ وافر خراج ہائے عقیدت

نذر پیش کئے۔ یہ کہہ کر کہ محمد ﷺ لاکھوں میں ایک تھے، وہ تاریخ کا عظیم ترین شخصیت تھی، وہ تمام مذہبی شخصیات میں کامیاب ترین فرد تھے اس جیسی بہت سے باتیں آپ ﷺ کے لئے کہے ہیں۔لیکن ان تمام خراج ہائے عقیدت سے ایک عام قاری کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس قدر عقیدت واحترام کے یہ لوگ محمد ﷺ کی غلامی میں کیوں داخل نہیں ہوتے اور اسلام کیوں قبول نہیں کرتے؟

حقیقت یہ ہے کہ کچھ مستشرقین نے حضرت محمد ﷺ کو اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے بلند تر مقام پر رکھا۔لیکن وہ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ کیونکہ ان کے ذہنوں کے پیچھے یہ یقین اور خیال کارفرما تھا کہ نعوذ باللہ محمد ﷺ خود قرآن کریم کے مصنف تھے۔ مندرجہ بالا لکھنے والوں میں سے بعض نے صراحتاً ایسا کہا اور بعض نے لطیف پیرائے میں کنا تا کہا۔ لیکن مجموعی طور پر ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی ان کی اپنی بشری ذہانت کی وجہ سے تھی۔

تعریفوں کی اس فہرست میں جدید ترین مائیکل ایچ ہارٹ (Maichel H. Hart) کی تعریف ہے یہ بات کہنے کے بعد کہ تاریخ میں محمد ﷺ میں سب سے زیادہ بااثر شخصیت ہیں۔ دینی اور دنیاوی دونوں میدانوں میں۔ اپنے مقالہ میں اس نے اپنے قطعی فیصلہ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ایسا کرتے ہوئے اس نے اپنی کتاب کے 39 ویں صفحہ پر صاف صاف کہا ہے کہ اس کے اسلام قبول نہ کرنے کے تحت الشعوری اسباب کیا ہیں۔

"Moreover, He is the author of the Mulsim Holy scripture, the Koran: A clolection of Mohammad's insights taht me believed had benn directly revealed to him by Allah".

''وہی محمد ﷺ مسلمانوں کے صحیفہ مقدس ''القرآن'' کے مصنف ہیں۔اس میں محمد ﷺ کی بصیرت کے کچھ مجموعے ہیں جن کے متعلق آپ ﷺ کا یہ یقین تھا کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر وحی کئے گئے ہیں۔''

اس طرح یہاں ان حضرات کے اسلام کو بحیثیت اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول نہ کرنے کی کڑیاں ملتی ہیں۔

مستشرقین کی تحقیقات کا منفی پہلو

مستشرقین کے تعصب کے چند نمونے

کچھ متعصب مستشرقین نے غیر جانبداری اور بے لاگ علمی تحقیق کے لبادے میں اسلام کے متعلق جو تحقیق کی ہے اس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

کیمون ایک فرانسیسی مستشرق ہے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''دین محمدی، نعوذ باللہ جزام کا مرض ہے جو لوگوں میں پھیل رہا ہے، اس مرض نے لوگوں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے یہ ایک عام فتنہ اور ایسا جنون ہے جو سب کچھ فراموش کرا دیتا ہے۔ جو انسان کو سستی اور کاہلی پر ابھارتا ہے جو آدمی اس مرض میں مبتلا ہو، اسے قتل و غارت، شراب نوشی اور بدکاری کی دعوت کے سوا کوئی چیز سستی اور کاہلی کی اس حال سے نہیں نکال سکتی۔''

یہ مستشرق اپنی خبث باطن کا مزید اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:

''نعوذ باللہ محمد ﷺ کی قبر کی مثال بجلی کے ایک کھمبے جیسی ہے جو مسلمانوں کے سروں میں جنون پیدا کرتا ہے اور انہیں ایسے کام کرنے پر مائل کرتا ہے جو مرگی کے مریض اور مخبوط الحواس لوگ کرتے ہیں۔ اس کے اثر سے مسلمان مسلسل لفظ "اللہ" کا تکرار کرتے رہتے ہیں اور وہ ایسی چیزوں کے عادی بن جاتے ہیں جو سادہ طبیعتوں کا خاصہ ہے۔ مثلاً خنزیر کا گوشت کھانے، شراب نوشی اور موسیقی سے نفرت اور جو چیز میں سفاکی اور بدکاری کے خیالات سے جنم لیتی ہیں ان سے محبت''

پھر یہی مستشرق اپنے ناپاک مکروہ جذبات کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

''میرا اعتقاد ہے کہ مسلمانوں کی ساری آبادی کے پانچویں حصے کو نیست و نابود کر دیا جائے اور جو باقی بچ جائیں انہیں مشقت طلب کاموں پر لگا دیا جائے، کعبہ کو گرا دیا جائے اور (نعوذ باللہ) محمد ﷺ کی قبر اور ان کے جسم کو ''لوفر'' کے عجائب گھر میں رکھا جائے''۔

یہ تحریریں اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ ان کے لکھنے والے نہ تو علم کے شائقین ہیں اور نہ ہی تحقیق سے ان کا کوئی واسطہ ہے، وہ علم اور تحقیق کے لبادے میں اسلام پر حملے کرنا چاہتے ہیں، مستشرقین کے اس طبقے نے جو رویہ اپنایا ہے اس کے

اسباب تاریخی ہیں، کیوں کہ اسلام نے یہودیت اور عیسائیت کو عسکری میدانوں شکستیں دیں۔

(1) جین برڈ (Genebrard)

اس مستشرق کا زمانہ اگر چہ 1535ء تا 1597ء تھا۔لیکن اس کا موقف سترھویں صدی عیسوی میں عام ہوا۔ یہ ایک مشہور کیتھولک مناظر تھا۔ اس نے عربی زبان کو وحشیانہ زبان قرار دیا ہے اور قرآن مجید کو زبان کے پہلو سے ہدف تنقید بنایا ہے۔

(2) ہمفرے پرائی ڈیکس (Humphrey)

اس نے اپنی کتاب میں رسول ﷺ پر بے بنیاد الزمات لگائے اور یورپ میں اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ 1697ء میں اس کے دو ایڈیشن چھپ گئے تھے اور فرانسیسی ترجمہ بھی 1698ء میں ہو گیا تھا۔

(3) ایڈورڈ گبن (Gibben E)

انگریز مورخ تھا۔ اس کا زمانہ 1737ء تا 1794ء تھا۔ اپنی کتاب ''تاریخ زوال رومہ لکھی۔ گبن جدید انگریزی تاریخ نگاری کا معمار ہے۔ اس نے 1750ء میں کتاب مذکورہ کے پچاسویں باب میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں نہایت دل سوز رائے کا اظہار کیا ہے اور رواداری کے دعویٰ کے باوجود رسول اللہ صلی ایکم کے بارے میں بہت ہی نا مناسب الفاظ اور زبان استعمال کی ہے۔

والٹیئر (Voltaire Fr)

فرانسیسی مصنف تھا اس کا دور 1694ء تا 1787ء تک ہے اس نے پیغمبر اسلام صلی یکم کے بارے میں اپنا مشہور ڈرامہ تحریر کیا جس کا عنوان تھا:

"Le Famatisme on Mohammaticv Prophete"

یہ بے بنیاد ڈرامہ تھا جو کہ 1742ء میں منظر عام پر آیا، والٹیئر نے رسول اللہ صلی اظلم کے خلاف انتہائی نا شائستہ اور غیر مہذب زبان استعمال کی اور اسلام کو وحشی اور فاسد مذہب سے موسوم کیا۔

(5) ولیم میور (Sir Velliam Meur)

ولیم میور مشہور انگریز مستشرق تھا، عربی کا عالم، انگریز سرکار کا نمائندہ منتظم سیاسی جنگ آزادی 1857ء میں آگرہ میں شعبہ جاسوسی کا سربراہ اور متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ اس کا بھائی جان میور بھی مستشرق اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم تھا۔ ولیم میور نے "The Life of Muhammad" کے نام سے کتاب لکھی، جو چار جلدوں میں پہلی مرتبہ 1857ء

تا1861ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بہت دل آزار ہے۔ سرسید احمد خان نے اس کے جواب میں خطبات احمدیہ کے نام سے کتاب لکھی۔

(6) جارج سیل(Sale G)

انگریز مستشرق تھا جس کا زمانہ 1697ء تا1736ء تھا۔ اس نے 1735ء میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع کیا۔ اسلام کے بارے میں بہت متعصب تھا۔ اس نے اسلام کو فاسد مذہب قرار دیا ہے۔

مستشرقین کے بیشتر علمی اور تحقیقی کاموں کے پیچھے علم کی خدمت کا جذبہ کارفرما نہ تھا بلکہ علم کی خدمت کے لبادے میں دراصل اسلام اور مسلمانوں سے مقابلہ مقصود تھا۔ لیکن یہ اصول تمام مستشرقین پر لاگو نہیں ہوتا۔ ان میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے صرف علم کے حصول اور علم کی خدمت کے جذبہ سے اپنی زندگیاں تحقیق کے خارزار میں گزار دیں۔ اسلامی موضوعات پر ان کے قلم سے ایسی باتیں نکلی ہیں جن میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق منصفانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ گو ان کی تحریوں میں بہت سی باتیں غلط بھی ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک آدمی سے اس قسم کی غلطیوں کا صادر ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔

لیکن اغلبیت نے استعمار کے لئے کام کیا کیوں کہ جب اہل مغرب نے مسلمانوں کے ممالک پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھا تو اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے صدیوں کے تلخ تجربات کی بنا پر تلوار کے استعمال کو خلاف مصلحت سمجھا۔ انہوں نے انسانوں کی ایسی جماعتیں تیار کی جنہوں نے علم کی محبت اور خدمت انسانیت کے حسین جامے زیب تن کر رکھے تھے ان کا کام یہ تھا کہ وہ ممالک اسلامیہ میں ایسے حالات پیدا کریں کہ جب عملی طور پر اہل مغرب ان ممالک پر اپنا سیاسی تسلط قائم کرنے کے لئے آگے بڑھیں تو ان ممالک کے شہریوں کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت کا امکان نہ ہو۔

انہوں نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کیلئے مختلف حربے استعمال کئے، انھیں معلوم تھا کہ ملت اسلامیہ کسی ایک نسلی یا جغرافیائی وحدت کا نام نہیں بلکہ اس ملت میں مختلف نسلوں، مختلف رنگوں اور مختلف علاقوں سے یا تعلق رکھنے والے لوگ موجود ہیں وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں پر ان کے عقیدہ کی گرفت ختم ہو جائے یا کمزور تو یہ قوم پارہ پارہ ہو سکتی ہے انہوں نے اسلامی عقیدے پر حملے شروع کر دیئے۔ پیغمبر اسلام ﷺ جو ہر مسلمان کے عقیدے کا مرکز ہیں، اہل مغرب نے ان کی ذات بابرکات پر ایسی اسلام علیہ کا، نے الزام تراشیاں کیں کہ شرافت، ندامت کی وجہ سے منہ چھپانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ہر برائی جس کا تصور ممکن ہے اسے کائنات کی اس پاکیزہ ترین ذات کی طرف منسوب کیا گیا قرآن حکیم کو آپ صلی اللہ کر کے ذہن کی اختراع کہا گیا۔ مسلمانوں کو اسلامی اقدار سے بے بہرہ کرنے کی باقاعدہ مہم چلائی گئی۔ ایسی تعلیم کو

فروغ دیا گیا جو مسلمانوں کو مسلمان نہ رہنے دے۔ مسلمانوں کو اپنے تشخص اور اپنی تہذیب سے بے گانہ کر کے مغربی تہذیب کی طرف دعوت دی گئی یہ سارے کام مغرب کے سیاستدانوں نے مستشرقین اور مبشرین سے کرائے،، مقصد یہ تھا کہ جب مستشرقین کے پھیلائے ہوئے خیالات ونظریات امت مسلمہ پر اثر انداز ہوں گے تو اس کا نتیجہ دو صورتوں میں ظاہر ہوسکتا ہے، ایک صورت میں دین کا عظیم الشان محل انتشار کا شکار ہو جائے گی اور یہ قوم مزاحمت کے قابل نہیں رہے گی۔ دوسری صورت یہ ممکن تھی کہ ملت کا ایک طبقہ مغربی خیالات ونظریات کو تسلیم کر لے گا اور دوسرا طبقہ ان نظریات کو اسلامی اقدار پر حملہ تصور کر کے ان کی مخالفت کرے گا اور اس صورت میں بھی ملت کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے استعماری طاقتوں نے مستشرقین اور مبشرین پر پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ مستشرقین اور مبشرین کو اپنی کوششوں کو آگے بڑھانے کے لئے خود امت مسلمہ میں سے بھی کئی بے ضمیر لوگ مل گئے جنہوں نے ان اسلام دشمن کاروائیوں کو آگے بڑھانے کے لئے زبردست کام کیا اور ساتھ ساتھ مستشرقین نے مسلمانوں کو فرقہ واریت کے جہنم میں بھی پھینکنا چاہا تو اس مشن کی تکمیل کے لئے انہیں مسلمانوں کی صفوں میں سے کارکن میسر آ گئے۔ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والے ایک طرف دین سے تعلق منقطع کرنے کی تدبیریں کیں تو دوسری طرف انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ مسلمان بعد میں ہیں اور پہلے وہ عرب، ترک، ایرانی اور افغان وغیرہ ہیں۔ اس طرح نسلی، لسانی اور علاقائی تعصّبات کو بھڑکا کر مسلمانوں کو منتشر کرنے کی کوشش کی گئی۔

خود آزمائی

1- مستشرقین کی تحقیقات کا مثبت پہلو قلم بند کیجئے۔
2- مستشرقین کی تحقیقات کا منفی پہلو قلم بند کیجئے۔
3- مستشرقین کی اقسام قلم بند کیجئے۔
4- مستشرقین کے دینی مقاصد قلم بند کیجئے۔
5- مستشرقین کے علمی اہداف قلم بند کیجئے۔

یونٹ نمبر 3

قرآن کریم اور مستشرقین

ترتیب وتدوین
ڈاکٹر ثناءاللہ حسین
شعبہ قرآن وتفسیر

یونٹ کا تعارف

گزشتہ دو صدیوں سے مستشرقین کا خصوصی موضوع تحقیق قرآن کریم کے متن خصوصاً اس کے رسم و قراءات رہا ہے جس کے ضمن میں ان کا منتہائے نظر یہ ہے ک؟ قرآن کریم کو محرف کلام ثابت کیا جائے۔ دراصل استشراقی فکر کا محور یہ ہے کہ جس طرح تورات انجیل اپنی تحریف کی وجہ سے استنادی حیثیت کھو بیٹھی ہیں اور ان کے کئی ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں، قرآن کریم کو بھی اسی مقام پر لا کھڑا کیا جائے۔ اس یونٹ میں مستشرقین کے متن قرآن کریم کے بارے اعتراضات کا تنقیدی اور علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- قرآنی متن کے حوالے سے مستشرقین کا زاویہ نگاہ جان سکیں۔

2- متن قرآن کریم کے حوالے سے مستشرقین کے شبہات کا تحقیقی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

3- مستشرقین کا متن قرآن کریم پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

متن قرآن کریم کے حوالے سے مستشرقین کے شبہات کا تحقیقی جائزہ

درحقیقت مستشرقین کے متن قرآن کے حوالے سے شبہات کا مقصد ومحور قرآنی نص میں ارتقاء ثابت کرنا ہے تا کہ قرآن مجید کو کلام خداوندی کی بجائے انسانی تصنیف واختراع قرار دیا جا سکے۔

گزشتہ دوصدیوں سے مستشرقین قرآن کریم کے متن خصوصاً اس کے رسم وقراءات کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں اس ضمن میں ان کا منتہائے تحقیق یہ ہے کہ قرآن کریم کو محرف کلام ثابت کیا جائے۔ یقیناً ایسا کام براہ راست متن قرآنی کو موضوع بنانے سے ممکن نہ تھا اس لئے انھوں نے مسلم ورثہ کی چند ثانوی اور اسطوری درجہ کی کتب کو بنیاد بنا کر مختلف شاذ قراءات اور چند تاویلاتی یا تفسیراتی روایات کو قرآن کا درجہ دینے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ قرآن کریم اسلامی تشریح کا اولین سرچشمہ ہے جو ہر قسم کی تحریف وآمیزش سے پاک ہے اس کے برعکس یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ توراۃ وانجیل اپنی اصلی حیثیت کو برقرار نہ رکھ سکیں اور بے شمار تحریفات کا شکار ہوئی ہیں، غالباً اسی وجہ سے مستشرقین نے قرآنی نص کو اپنا موضوع بحث بناتے ہوئے اس کو بھی محرف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل استشراقی فکر کا محور یہ ہے کہ جس طرح تورات و انجیل اپنی حیثیت کھو بیٹھی ہیں اور ان کے کئی ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں، مسلمانوں کے قرآن کو بھی اسی مقام پر لا کھڑا کیا جائے۔ آرتھر جیفری لکھتا ہے:

> "It is some time said that christinanity could exist without the new testament, but Islam certainly could not exist without the Quran

New Testament کے بغیر عیسائیت اپنا وجود باقی رکھ سکتی ہے لیکن قرآن کے بغیر اسلام باقی نہیں رہ سکتا، اسی بنا پر انھوں نے قراءت قرآنیہ کو انسانی قیاس پر مبنی اور حدیث سبعہ احرف کی اسنادی حیثیت کو موضوع ومشکوک قرار دیا ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دور جدید میں استشراقی تحریک سے متاثر طبقہ کو شدید ذہنی خلفشار کا سامنا کرنا پڑا ہے اور جس کے نتیجہ میں جمہور کے نظریات سے ہٹ کر مخترعات اور باطل افکار کا ایک سیلاب امت کو گھیرے میں لے رہا ہے۔ قرآن کریم میں تحریف وتصیف، مصحف ابن مسعود سے معوذتین کا حذف، اختلاف قرائات کی حقیقت، خطاء لحن غرض ہر اس پہلو کو موضوع بحث بنانے کی کوشش کی گئی ہے جو کسی بھی طرح کتاب اللہ میں شک وشبہ کا موجب بن سکتا ہے۔

قرآنی متن کے حوالے سے مستشرقین کا زاویہ نگاہ

جب ہم قرآنی متن کی تحقیق وتوثیق کے حوالے سے مستشرقین کے علمی کام کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت وحی کی اصل روح کو سمجھنے سے ہی قاصر رہے ہیں۔اس کی وجوہات میں ان کے پہلے سے طے شدہ مقاصد کار فرما ہوں یا اسلام کے مصادر کا حقیقی فہم حاصل کرنے کی عدم صلاحیت ہو، بہرحال ان کی تحقیقی نگارشات میں دیانتدارانہ رویوں کے برعکس مصادر اسلامیہ کو مشکوک قرار دینے کے جذبات منعکس ہوتے نظر آتے ہیں۔

مستشرقین کو غالباً اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک قرآن کی کیا حیثیت اور قدر و قیمت ہے اور جب تک یہ کتاب روئے زمین پر رہے گی اس کے پیروکاروں کے لئے فوز وفلاح کے راستے کھلے رہیں گے، وہ کسی بھی وقت اس کی راہنمائی میں باطل نظام کو مغلوب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔لہٰذا اس مصدر کو اس انداز اور پیرایہ میں اقوام دنیا کے سامنے پیش کیا جائے کہ یہ دیگر کتب سماویہ ہی کے ہم پلہ نظر آنے لگے کیوں کہ ان کتب میں بہت تحریفات ہو چکی ہیں۔

اس سلسلے میں مستشرقین نے مسلمانوں کے ذہنوں میں قرآن کریم کے بارے میں شوک وشبہات پیدا کرنے کی غرض سے دو بنیادی قسم کے اعتراضات کو اپنا مرکز ومحور بنایا۔

اول: قرآن کی جمع وتدوین

دوم: قرآن کی قراءات کا اختلاف

نص قرآنی کی توثیق اور عدم توثیق کے حوالہ سے دونوں اعتراضات بالکل اساسی اہمیت کے حامل ہیں۔کیوں کہ ان دونوں کا تعلق قرآنی متن اور الفاظ سے ہے الفاظ ہی معنی اور مفہوم کا سبب ہوتے ہیں اگر الفاظ ہی کی صحت میں تذبذب پیدا ہو جائے تو مراد کی قطعیت بے معنی سی چیز بن کر رہ جاتی ہے اس لئے مستشرقین قرآنی متن کے متعلق متعدد شبہات قائم کرتے ہیں۔

قرآنی متن کے حوالہ سے استشراقی فکر سب سے پہلے با قاعدہ طور پر ، جان آف دمشق John of Demascus جو کہ یوحنا دمشقی (675-749) کے نام سے معروف ہے، یہ ازمنہ وسطی کا ایک معروف عالم الصیات تصور کیا جاتا ہے۔اس نے عقیدہ تثلیث کے دفاع کی خاطر قرآن کریم اور اسلام کے خلاف نازیبا الزامات لگائے جن کا جواب اسی دور کے عالم ابوعیسی وراق نے مناسب حد تک دے دیا تھا۔

اسی طرح کے اقدامات مغربی عیسائیت کے پیٹر دی وینی ریبل (Peter the Venerable) نے بھی قرآن

کریم سے روا رکھے۔ یہ شخص Chunia Churches کے پادریوں کا سرپرست تھا اس نے اپنے چار دوستوں کے ذریعے قرآن اور اسلامی ورثہ کی اہم نصوص کے تراجم کئے اور اسلام سے شناسائی کی عظیم تحریک چلائی، اس پورے گروہ میں بعد میں آنے والے مستشرقین کی تنقیدات سے ہٹ کر یہ بات واضح طور پر سامنے آئی Toledo Corpus یا Cluniac Corpus اسلامی تحریرات وتراجم کے اس مجموعہ میں ازسرنو متعدد مقامات پر جان آف دمشق کے قائم کردہ ہفوات جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور یوں عمومی طور پر مغرب میں اسلام اور قرآن مخالف جذبات علمی سطح پر پہنچتے رہے۔ واضح رہے کہ یہی انتخاب (Collection) صدیوں تک اسلام اور قرآن سے شناسائی کے لئے مغرب کے پاس بنیادی مصدر کے طور پر کام آتا رہا جس کی بنیاد پر قرآن پر تنقید مغرب کا دلچسپی کا موضوع بنا رہا پندرھویں صدی عیسوی میں جان آف سیگو یا (John of Segovia) نے چرچ سے ریٹائر ہونے کے بعد اسلام اور عیسائیت کے مابین اختلافات کے حل کے لئے قرآن کا لاطینی زبان میں ترجمہ کروایا اور مکالمہ یعنی (Contra Ferentia) کے ذریعے اسلام اور عیسائیت کے مابین مصالحت پر زور دیا، جان آف سیگو یا کے اس نظریہ کو ترقی دینے کے لئے Nicholas جیسے افراد نے ساتھ تو دیا مگر مصالحت کی انہی کوششوں کے دوران 1691ء میں روم کے چرچ نے ایک کتاب Prodromus ad Refutatis Alcorani شائع کی جس کا مرکزی نقطہ نظر یہ تھا کہ کسی طرح مسلمانوں کے قرآن کو ہدف تنقید بنایا جائے اس کتاب میں قرآن کے لیے انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کیے گئے۔

ان تمام استشراقی رجحانات اور طریقہ ہائے تحقیق میں اس وقت تبدیلی پیدا ہوئی جب 1967ء میں ویٹ کن نے اسلام کو آسمانی مذہب کے طور پر تسلیم کرلیا، قرآن کریم کے متعلق صریح متعصّبانہ رویوں کے برعکس تب سے تحقیق کے رویوں میں بھی یکسر تبدیلی واقع ہوئی، چنانچہ جدید استشراقی منہج تحقیق میں نص قرآنی کے حوالہ سے شبہات باقاعدہ طور پر مسلم ورثہ سے مستفاد ہونے لگے اگرچہ مقاصد اور مضمرات میں فرق نہیں آیا تاہم طرز اظہار میں بظاہر دیانتدارانہ رویوں کو پیش کرنے کے لئے تکلف کیا جانے لگا ہمارے خیال میں طریقہ تحقیق متقدمین اہل استشراق کی نسبت زیادہ خطرناک ہے۔

گزشتہ صدی سے مستشرقین مسلسل قرآنی متن اور اس سے متعلقہ قدیم مصاحف واوراق میں حذف وزیادت کی روایات پیش کرنے میں خاصی مستعدی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ مشہور مستشرق تھیوڈر نولڈ کے (T.Noldeke) (1930ء) نے اپنی تالیفات تاریخ القرآن (1860ء) تقاریب الھجات (1875ء) قواعد اللغۃ العربیۃ (1896ء) میں مذکورہ موضوعات کے حوالہ سے ابحاث ذکر کیں جنھیں، اسی کے ہم زمانہ گولڈ زیہر (Goldziher 1902ء) نے مذاہب التفسیر الاسلامی میں قرآنی نص میں اضطراب اور عدم ثبات کے متعلق دلائل پیش کیے بعدازاں آرتھر جیفری (Arther

(Jeffery) نے قرآن کریم کے قدیم مصاحف اور مصاحف عثمانیہ کو موضوع بنایا اور قرآن کریم کی مختلف قراءات کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے نصر، قرآنی کو مشکوک بنانے کی کوشش کی، جیفری کی تمام کوششوں کا مرکز کتاب اللہ میں لفظی ارتقاء□ ثابت کرنا ہے۔

مشہور مستشرقین کا متن قرآن کریم پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ

یہاں ہم قرآن کریم کے متعلق استشراقی فکر کے اساسی تصورات اور دعووں کی ایک جھلک، ان کی فکر کا منہج اور متن قرآن کو اپنی تحقیق کا محور بنانے کے کام کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

گولڈزیہر (Goldziher)

متن قرآنی اور قراءات کے حوالے سے مستشرقین میں سے باقاعدہ اور رسمی طور پر جس شخص نے بحث وتحقیق کا آغاز کیا وہ گولڈزیہر ایک یہودی مستشرق ہے جو حدیث پر اعتراضات کے حوالہ سے شہرت رکھتا ہے، اس کی پیدائش 1850ء اور وفات 1921ء میں ہوئی، اس نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''مذاہب التفسیر الاسلامی'' کے پہلے باب کے ابتدائیہ میں قراءات قرآنیہ کے ضمن میں سبعہ احرف کی روایات کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا اس کے اہم ترین اعتراضات تین ہیں:

1- نص قرآنی دیگر تمام کتب سماویہ کے برعکس زیادہ اضطراب، تحریف اور عدم ثبات کا شکار ہوئی۔

2- قراءات کا اختلاف رسم مصحف کے نقطوں اور اعراب سے خالی ہونے کے سبب وجود میں آیا اور یہ تمام قراءات انسانی اختراع ہیں۔

3- صحابہ کے مصاحف میں کمی بیشیاں ہوئی ہیں مثلاً حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے مصحف میں فاتحہ اور معوذتین نہ تھیں جبکہ ابی بن کعب کے مصحف میں سورہ الخلع اور سورہ الحفد بطور اضافہ شامل تھیں۔

گولڈزیہر کے خیال میں قرآن محمد ﷺ کی دینی معلومات کا ملغوبہ ہے جس کا ماخذ دو عناصر تھے:

1۔ خارجی 2- داخلی

وہ اپنی کتاب ''العقیدہ والشریعہ'' میں رقمطراز ہے:

> ''پیغمبر عربی (ﷺ) کا پیغام ان منتخب معارف ومسائل کا ملغوبہ تھا جو آپ کو یہودی اور عیسائی حلقوں کے ساتھ گہرے تعلقات کے سبب حاصل ہوئے تھے۔ آپ ان نظریات سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اور انہوں نے سوچا کہ ان کے ذریعہ وطن کے فرزندوں کے دل میں سچا ندہبی جذبہ بیدار کیا جاسکتا ہے،

اور یہ تعلیمات جو آپ نے بیرونی عناصر سے حاصل کی تھیں، آپ (ﷺ) کے خیال میں رضائے الٰہی کے حصول میں زندگی کی کشتی کو ایک نیا رخ دینے کیلئے نہایت ضروری تھی۔ ان افکار سے آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ یہ افکار آپ کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو گئے اور مضبوط بیرونی اثرات کے ذریعہ آپ نے ان نظریات کی کنہ اور حقیقت کا اس قدر ادراک کرایا کہ یہی نظریات عقیدہ بن کر آپ کے دماغ میں داخل ہو گئے اور انہی تعلیمات کو آپ وحی الٰہی سے تعبیر کرتے رہے''۔

گولڈزیہر کے ان اعتراضات کی حقیقت کا ایک نمونہ ملاحظہ کریں جس سے اس کی دیانتدارانہ ''تحقیق کا اندازہ لگایا جا سکے گا۔ اس کے بقول دیگر کتب سماویہ کی نسبت قرآنی نص میں زیادہ تحریفات واقع ہوئی ہیں حالانکہ اس نے دیگر کتب سماویہ کو ان کی اصلی نصوص میں کبھی نہیں دیکھا، اس کے باوجود وہ قرآن کو ان کتب سے مقابلہ میں زیادہ پر نقص قرار دینے پر مصر ہے۔

اس نے قراءات کا سبب رسم کے نقطوں اور حرکات سے خالی ہونے کو قرار دیا ہے اور اس کی پانچ سات مثالیں بھی ذکر کر دی ہیں لیکن ان بیسیوں مثالوں سے صرف نظر کرتا ہے جو احتمال رسم کی وجہ سے دیگر صورتوں سے پڑھے جانے کی گنجائش رکھتی تھیں لیکن ان کو ایک ہی صورت میں پڑھا گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قراءات کا اختلاف رسم کی وجہ سے نہیں بلکہ اتباع روایات کی بناء پر وجود میں آیا ہے۔

مصاحف صحابہ کو بنیاد بنا کر موجودہ مصحف عثمانی سے اس کے اختلافات کو بغیر سند و روایت ذکر کر دیا گیا ہے اور یہ بھی گوارا نہیں کیا گیا کہ صحیح احادیث سے اس کا ثبوت فراہم کر دیا جائے۔

تھیوڈر نولڈکے (Theodor Noldeke)

جرمن مستشرق نولڈکے نے تاریخ القرآن کے نام سے کتاب لکھی جس میں قرآن کریم کی تاریخی حیثیت کو متعین کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے متعدد مباحث کو موضوع بنایا گیا ہے نولڈکے، طبقہ مستشرقین میں ایک پیش رو کی حیثیت رکھتا ہے جس سے بعد کے مستشرقین نے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ (بلاشیر) نے اپنے تحقیقی اسلوب میں اسی سے راہنمائی حاصل کی ہے۔ نولڈکے نے اپنی کتاب میں قرآنی نص کے حوالہ سے سورتوں کی ترتیب اور نسبتاً عمیق اور منفرد مباحث کو ذکر کرنے کی کوشش کی ہے ابوعبداللہ زنجانی (م 1360ء) نے تاریخ قرآن پر مستشرقین کی اہم تالیفات میں سے اس کتاب کو مختلف پہلوؤں کی وجہ سے اہم قرار دیا ہے۔

نولڈکے نے تاریخ القرآن کی تحقیق میں ابوالقاسم عمر بن محمد بن عبدالکافی (پانچویں صدی ہجری کے علماء میں سے

ہیں) کی اس موضوع کے متعلق کتاب پر اعتماد کرتے ہوئے نزول قرآن کی تاریخ کا استقصاء کیا ہے اس نے ذکر کیا ہے کہ یہ کتاب Warn 674 God Lygd لائبریری میں موجود ہے، اس نے نبی ﷺ پر مکہ میں نازل ہونے والے حصہ قرآنی اور مدینہ میں نازل ہونے والے حصہ کو تقسیم کیا ہے ابوعبداللہ زنجانی نے پروفیسر نولڈ کے کو مذکورہ کتاب پر اعتماد کرنے اور ابراہیم بن عمر بقائی کی کتاب ''نظم الدرر وتناسق الآیات والسور'' اور ابن ندیم کی ''الفہرست سے فہارس مرتب کرنے پر داد تحسین دی ہے۔

قرآنی سورتوں کی ترتیب ذکر کرتے ہوئے نولڈ کے نے سورہ الفاتحہ کو نہ مکی میں شمار کیا ہے اور نہ مدنی سورتوں میں، شاید اس نے سورت فاتحہ کے مکی و مدنی ہونے کے متعلق اپنے نظریہ میں توقف اختیار کیا ہے یا پھر کوئی اور وجہ ہوسکتی ہے۔ سورتوں کی ترتیب نزولی کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی ابتداء سورہ العلق سے کی ہے، پھر سورہ القلم اور پھر تاریخی لحاظ سے ان کا تتبع کیا۔

نولڈ کے نے کتابت قرآن کو قراءات قرآنیہ کے وجود میں آنے کا سبب گردانا ہے اسی نظریہ کی توثیق کارل بروکلمان نے کی اور یہ نظریہ زور وشور سے بیان کیا جانے لگا کہ مختلف قراءات کا دروازہ دراصل کتابت سے کھلا ہے اور اس بنیاد پر قراء، قراءات کی تصحیح میں منہمک نظر آتے ہیں۔ ان تمام نظریات کا علماء اسلام نے رد کیا ہے ہمارے خیال میں نولڈ کے ہی وہ اولین مستشرق ہے جس نے قرآن کریم پر نص کے حوالہ سے اعتراضات کا باقاعدہ اور رسمی طور پر آغاز کیا۔

بلاشیر (Blachere)

بلاشیر ایک فرانسیسی مستشرق ہے جو 1900ء میں پیدا ہوا، رباط (مراکش) میں تعلیم حاصل کی اور 1939ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی بعدازاں جامعہ سوربون میں پروفیسر متعین ہوا۔ یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ بلاشیر فرانسیسی وزارت خارجہ میں بھی خدمات سرانجام دیتا رہا۔ نجیب حقیقی نے اس کی تالیفات کا ذکر کرتے ہوئی، پانچ اہم کتابوں کے نام شمار کیے ہیں:

1- **المتنبی حیاته و آثارة**

2- **مقتبسات عن اشهر الجغرافیین العرب فی العصر الوسیط**

3- **قواعد نشر و ترجمة النصوص العربیة**

4- فرانسیسی زبان میں ترجمہ قرآن، جو تین جلدوں میں پیرس سے 1947ء تا 1952ء شائع ہوا۔

5- **معضلة محمد:** یہ کتاب 1953ء میں منظر عام پر آئی۔

تاریخ قرآنی کے حوالہ سے، اس کی مشہور زمانہ کتاب ''القرآن نزولة و تدوینه '' کی دوسری جلد میں علوم اسلامیہ میں تحقیقی مباحث پر قلم زنی کرتے ہوئے اس کے مصدر قرآن کے متعلق کذب بیانی، مغالطات اور شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ بلاشیر کے متعلق اس کے اساتذہ کا خیال ہے کہ وہ ایک معتدل المزاج اور حقیقت پسند محقق ہے اور مستشرقین کی صف میں اس کا شمار انصاف پسند اور بالغ النظر فکر کے حامل گنے چنے افراد میں سے ہوتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر التہامی نقرہ کے بقول بلاشیر نے قرآن کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس نے نص قرآنی کی حفاظت کے متعلق دلائل سے قطع نظر یہ دعوی اختیار کیا کہ قرآن محمد ﷺ کے زمانہ میں نہیں لکھا گیا تھا، اس کے نزدیک نزول وحی کے وقت رسول صلی الیم پر شدت خوف کی حالت طاری ہو جاتی تھی اس لئے یہ ممکن نہ تھا کہ آپ وحی کو لکھوالیا کرتے اس کے علاوہ مدینہ کے یہودی جو تمام وسائل کتابت پر قابض تھے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان شدید کشمکش تھی لہٰذا ان تمام مقدمات سے بلاشیر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ دور نبوت میں قرآن کو حفظ کرنا بھی ممکن نہ تھا وہ اس خدشہ کا بھی اظہار کرتا ہے کہ ممکن ہے قرآنی نص کے ساتھ معمولی اضافہ جات بھی خلط ملط ہو گئے ہوں جنہیں بعد کے ادوار میں قرآن سمجھ لیا گیا۔

بلاشیر کا یہ خیال کہ نبی صلی ﷺ کتابت وحی پر حریص نہیں تھے اور اس کی جو وجوہات بیان کی نہیں وہ محض فرضی خیالات ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمیں تعجب ہے کہ اس کے پاس اس بات کا نہ تو کوئی منقولی اور تاریخی ثبوت ہے اور نہ معقولی، حالانکہ آپ ﷺ نے قرآن مجید کو مدون کرنے کا جو اہتمام کیا وہ اس اہتمام سے کسی بھی طرح کم نہ تھا جو آپ ﷺ نے یادداشت کے ذریعہ قرآن کو محفوظ رکھنے کیلئے کیا۔ آپ صلی علیم نے صحابہ کو ابتداء میں کتابت حدیث سے صرف اس لئے منع فرمایا تھا تاکہ تنہا قرآن ہی کے لئے وسائل کتابت کو استعمال میں لایا جا سکے اور حدیث نبوی قرآن کے ساتھ خلط نہ ہو جائے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں آپ صلی علیہ نام کا قول منقول ہے۔

''لا تکتبوا عنی غیر القرآن و من کتب عنی غیر القرآن فلیمحه و حدثوا عنی و لا حرج ''

''مجھ سے قرآن کے علاوہ نہ لکھو، جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ تحریر کیا ہے وہ اسے مٹا دے، یہ باتیں میری طرف سے زبانی بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں''

مسلمانوں کے نزدیک بلاشیر ایک ایسا مستشرق ہے جس نے قرآنی نص کے حوالہ سے بنیادی شبہات اور شکوک کو نئے سرے سے زندہ کیا جن میں قطعاً انصاف کی جھلک نظر نہیں آتی۔ جو شخص قرآنی مصدر کے بارے میں یہ فیصلہ کرے کہ اس کو محمد نے کلیساؤں اور راہبوں سے اخذ کیا اور یہ کہ اس میں مذکور قصے کہانیاں دراصل جزیرہ عرب کے مشہور افسانے تھے یہ اور اس کے علاوہ بہت کچھ بغیر دلیل وروایت بیان کرنے والے شخص کی بابت کبھی انصاف پسندی اور اعتدال کی نسبت نہیں کی جا

سکتی۔ ہماری رائے میں بلاشیر ایک متعصب مستشرق ہے، وہ قرآنی فہم حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے، خود اس نے یہ اعتراف کیا ہے کہ غیر عربی قرآن کو سمجھنے میں تردد کا شکار ہو جاتا ہے۔

گستاؤلیبان (Gustave Lebon)

یہ ایک فرانسیسی مستشرق ہے اس نے گولڈزیہر سے بھی پہلے 1884ء میں ایک کتاب "حضارۃ العرب" شائع کی۔ اس کتاب کے دوسرے باب کی دوسری فصل کو قرآن کریم کی تحقیق کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اس فصل میں قرآن کی جمع وتدوین اور نظم قرآن کے متعلق خصوصیت سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس نے قرآن کو تورات اور انجیل کے قریب لانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور ساتھ ہی وہ قرآنی مضامین کا ہندوستانی کتب مذاہب سے موازنہ بھی کرتا ہے، وہ قرآن کے متعلق مسلمانوں کی تصورات ونظریات غلط قرار دینے کے ضمن میں عیسائیوں اور یہودیوں کی مسامحت، دنیا میں سرعت کے ساتھ پھیلنے والی قرآنی تعلیمات اور امت مسلمہ میں قرآن کی ذریعہ اتحاد جیسے حقائق کو بڑی تنگ نظری سے پیش کرتا ہے۔

لیبان نے اپنی کتاب میں اگرچہ مسلمانوں کی فتوحات کے حوالہ سے ایک تاریخی مدحتی جملہ بھی لکھا ہے کہ ''**ان العالم لم یشھد فاتحاً ارحم من العرب** ''اور اس مقولہ کو بہت سے دانشوروں نے اپنی کتب میں جگہ دیتے ہوئے یہ رائے قائم کی گستاؤلیبان کی کتب اور تحقیقات غلطیوں سے پاک ہیں اور وہ ایک منصف مزاج مستشرق ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ طبقہ مستشرقین میں یہ وہ اولین شخص ہے جس نے محمد عربی ﷺ کی نبوت کو صرف عرب تک کے لئے محدود قرار دیا۔ اسی طرح لیبان نے حضارۃ العرب میں وحی کو صرع یعنی مرگی کے مشابہ ایک بیماری قرار دیا اور اس کو ذات نبوی ﷺ سے منسوب کیا۔ بعد میں منگمری واٹ نے اسی سے وحی کو الخیال الخلاق، سے تعبیر کیا اور وحی کی وہ تفسیر وتشریح کی جو معقولی اور منقولی ہر دو لحاظ سے گم گشتہ دلیل وحجت ہے۔ محمد رشید رضا نے صرع کی حقیقت یہ بیان کی ہے کہ جب اس کا وقوع ہو تو تمام تفصیلات یکسر انسانی ذہن سے محو ہو جاتی ہیں۔ جبکہ ہمارے نبی ﷺ وحی کی تمام تفصیلات کو محفوظ رکھتے اور آگے بطریق احسن نقل کرتے، وہ مزید کہتے ہیں کہ ایسا شخص پورے عالم کے لئے دین ورسالت کا ابلاغ نہیں کرسکتا جس کو یہ مرض لاحق ہو۔

ساسی الحاج اپنی کتاب ''**الظاھرۃ الاستشراقیۃ**'' میں لکھتے ہیں کہ ''صرع انسانی ادراک کو معطل کر دیتی اور اس کو ایسے پست تر درجہ میں لے آتی ہے کہ وہ اس اثناء میں شعور اور احساس گنوا بیٹھتا ہے لیکن وحی تو روح کی بلندی کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کے لیے خاص کرتا ہے تاکہ وہ کائنات کے بلند یقینی حقائق ان تک القاء کرے تاکہ وہ لوگوں کو اس کی تبلیغ کرسکیں۔

منٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt)

قرآنی نص کو محمد ﷺ کی اختراع قرار دینے والوں میں منٹگمری واٹ مستشرقین کے ہاں سب سے زیادہ متحرک دکھائی دیتا ہے۔اس کے اعتراضات میں بھی دیگر مستشرقین کی طرح اسلام اور قرآن سے تعصب اور عناد کی بو موجود ہے لیکن اس سے بڑھ کر ہمیں اس کے مصنوعی ماحول اور افسانوی طرز استدلال کو قطعاً تحقیقی سرمائے میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ اس کے ہاں منقولی دلائل وشواہد سے ہٹ کر ''خیالی امکانات کا رویہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اس سلسلہ میں وہ قرآن وسنت جیسے عظیم اور محکم مصادر کی تنقیص صرف امکانات کے ذریعے کرتا ہے۔مثلاً وحی کا انکار کرتے ہوئے اس امکان کا اظہار کرتا ہے:

"What seems to man to come from outside himself, may actually comefrom his unconscious"

(جو خیالات انسان کو خارج سے آتے دکھائی دیتے ہیں وہ بسا اوقات اس کے اپنے ہی لاشعور کی پیداوار ہوتے ہیں۔وہ اس امکان کا بھی اظہار کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ محمد ﷺ پر برس ہا برس ماحولیاتی عوامل کے اثرات میں ان کے جذبات کی دنیا کو اس قدر منفعل کیا ہو کہ وہی جذبات ابھر کر "وحی" کی صورت میں ظاہر ہو گئے ہوں۔

مستشرقین کا بالعموم مقصد ہی چونکہ تشکیک پیدا کرنا ہوتا ہے اس لئے وہ ایسے شوشے چھوڑتے ہیں جن کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہوتی۔مثلاً منٹگمری واٹ نے بیل (Bell) کے حوالہ سے لکھا ہے:

"From an early point in his prophetic career, Muhammad thought of the separat revelations he was recieving as constituting a single Quran. Afterhe had been a year or two in Medina, however he thought of them as Constituting,The Book,which it was his task to produce."

(اپنے منصب نبوت کے ابتدائی ایام میں محمد ﷺ کم کا خیال یہ تھا کہ آپ پر جو وحی نازل ہو رہی ہے اس کا مجموعہ قرآن کی شکل میں ظاہر ہو گا لیکن مدینہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ کو الکتاب مرتب کرنے کا خیال آیا جس کو اپنی امت کے سامنے پیش کرنا آپ کی ذمہ داری تھی۔)

منٹگمری واٹ اور بیل کے یہ تصورات محض قرآن کریم کو محرف قرار دینے کے لئے ابتدائی اقدامات کے طور پر کام کرتے ہیں۔الکتاب اور قرآن کے اس فرق میں جو ضرب مخفی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں تحریف اور تبدیلی ثابت کر سکے۔

منٹگمری نے عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں معوذتین نہ ہونے کے مسئلہ کو بہت اچھالا ہے۔اس کے نزدیک ابن مسعود ان سورتوں کو قرآن کا جزء نہیں مانتے تھے۔ساتھ ہی خلافت صدیقی میں جمع قرآن کی روایات پر بھی منٹگمری نے متعدد اعتراضات کیے ہیں جن کا جواب ایک معمولی استعداد والا شخص خود سمجھ سکتا ہے۔

منٹگمری کی کتب کے مآخذ اور ان کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے اپنی تحقیقی نگارشات میں زیادہ تر اہرمینس، رچرڈ بیل، بہل کائتانی، گولڈزیہر، جیفری، کینس، نکلسن، نولڈکے اور ٹوری کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام وغیرہ سے استفادہ کیا ہے، اس کے مآخذ میں بخاری کا ذکر ضرور ملتا ہے لیکن اس سے مدد فرانسیسی ترجمہ سے لی گئی ہے، اسی طرح قرآن مجید کو رچرڈ بیل کے ترجمہ سے سمجھا گیا ہے۔

جارج سیل (George Sale)

جارج سیل ایک مشہور مستشرق ہے اس نے قرآن کا ترجمہ بھی کیا ہے جو اہل مغرب کے لئے ایک علمی وثیقہ کا درجہ رکھتا ہے۔اس نے قرآن کو حضور ﷺ کی تصنیف ثابت کرنے کیلئے عہد نامہ قدیم کے موضوعات سے اس کے مستفاد ہونے کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ اس میں درج قصے کہانیاں بائبل کے برخلاف قرآن میں حقائق کی صورت میں بیان کی گئی ہیں۔ہمیں تعجب ہے کہ جارج سیل کے اس اعتراف کے باوجود قرآن ہی بائبل کے اصل مندرجات کی اصل شکل ہے پھر بھی وہ قرآن کو دیگر صحف سماویہ کے مقابلہ میں کمتر درجہ دیتا ہے، اس نے قرآن کے متعلق یہ نظریہ قائم کیا ہے۔

"Muhammad was really the author and cheif Contriever of the Koraninbeyond dispute"

جارج سیل نے ڈاکٹر پریڈیاکس (Dr. Prideakux) کی قرآن کے مصادر و مآخذ متعین کرنے میں جن تفصیلات اور امکانات کا ذکر کیا گیا ہے ان کا جائزہ لیتے ہوئے خود ہی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ تفصیلات اور بیانات قابل اعتماد نہیں ہیں۔اس طرح محمد صلی اللہ نیلم کے قرآن کے مصدر و مراجع کو حتمی طور پر متعین نہیں کیا جاسکتا جارج سیل نے براہ راست قرآن کی حیثیت پر اعتراضات کے علاوہ اس کے متن خصوصاً قراءات قرآنیہ اور مصاحف کے متعلق بھی مختلف تحریفی نظریات اختیار کیے ہیں اس نے، بائبل کی طرح، مصاحف عثمانیہ اور قراء ات کو بھی قرآن کے مختلف Versions (نسخ) قرار دیئے ہیں۔

آرتھر جیفری (Arthur Jeffery)

آرتھر جیفری آسٹریلوی نژاد امریکی مستشرق ہے جس نے قرآن حکیم کے دیگر پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کی مختلف قراءات کو بھی موضوع بحث بنایا ہے۔ آرتھر جیفری کے تحقیقی کاموں میں نمایاں ترین کام ''کتاب المصاحف'' کی تحقیق وتخریج اوراس سے ملحق (Materials for the History of the Text of the Quran) میں مصاحف صحابہ کو مصحف عثمانی کے مقابل قرار دینے کی کوشش ہے، اس نے قرآن حکیم کی تدوین اوراس کے مختلف قراءات کے مضامین پر مشتمل دومزید مسودات بعنوان مقدمتان فی علوم القرآن بھی مدون کیے ہیں۔

جیفری نے تقریباً 6000 سے زائد ایسے مقامات کی نشاندہی کی جو کہ مصحف عثمانی سے مختلف تھے، اس نے قراءات کی کتابوں میں سے جمع کیے۔ اس کام کے لئے ابن ابی داؤد کی مذکورہ کتاب ''المصاحف'' اس کا بنیادی مآخذ رہی۔

مصحف عثمانی کے مقابل دیگر صحابہ اور تابعین کے مختلف قراءات پر مبنی نسخوں اور روایتوں کو پیش کرتے ہوئے جیفری نے اس حقیقت کو یکسر نظر انداز کیا ہے کہ مصحف عثمانی سے اختلاف کرنے والے مصاحف جن صحابہ سے منسوب ہیں ان سب نے حضرت عثمان کی تائید وتوثیق کی تھی اور بعض تو اس کمیٹی کے براہ راست رکن تھے، مثلاً حضرت ابی بن کعبؓ جمع قرآنی میں شریک تھے اسی طرح حضرت علیؓ نے اس عظیم کام کی خوب تائید وتوصیف کی تھی۔

چنانچہ امام ابوعبید قاسم بن سلام (م 224ھ) نے اس موافقت میں حضرت علی کا یہ قول نقل کیا:

''لو ولیت لفعلت فی المصاحف الذی فعل عثمان''

''یعنی اگر یہی ذمہ داری مجھے سونپی جاتی تو میں مصاحف کے معاملہ میں اسی طرح کرتا جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے کیا۔''

جیفری نے کتاب المصاحف کے مقدمہ میں اپنے پیشرو نولڈ کے (Noldeke)، شوالے (Schewally)، برجسٹراسر (Bergistrasser) اور پرٹزل (Pritzl) کے اتباع میں قرآنی متن کو اپنا موضوع تحقیق بنایا ہے اور خاص طور پر نولڈ کے کی تاریخ القرآن کو بنیاد بنا کر چند نتائج کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے نزدیک یہ نتائج انہی مستشرقین کی ابحاث سے ماخوذ ہیں، ان کے بغور مطالعہ سے ہمیں متعدد اغلاط اور متناقض آراء بھی ملتی ہیں جیفری نے ان تمام تحقیقات میں کسی منقولی دلیل سے استدلال کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ مصاحف کے اختلافات اور قراءات قرآنیہ کے علاوہ جیفری نے جن موضوعات کو مقدمہ کتاب المصاحف اور Materials میں ذکر کیا ان میں ترتیب قرآن بھی خصوصی اہمیت کی حامل ہے، چنانچہ وہ قرآن کریم کی ترتیب کو موضوع بحث بناتے ہوئے لکھتا ہے:

"فان علماء الغرب لایوافقون علی ان ترتیب نص القرآن کما ھو الیوم فی الدینا من عمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

یعنی مغرب کے علماء نص قرآنی کی موجودہ ترتیب کو عملاً نبی ﷺ کو ماننے پر متفق نہیں، اس اعتراض کی عبارت میں اولاً تو اخفاء ہے کہ "ترتیب نص قرآنی" سے اس کا کیا مفہوم ہے۔ کیوں کہ ترتیب آیات اور ترتیب سور دونوں مصحف کے حصے ہیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ مستشرقین نے قرآن کی آیات اور سورتوں کی ترتیب کو اپنا خاص موضوع اس لئے بنایا تا کہ وہ قرآن کریم کو غیر مرتب اور ناقص ثابت کر سکیں۔ ان کے نزدیک قرآن اس ترتیب کے مطابق نہیں جس پر وہ نازل ہوا تھا، چنانچہ Rodwell نے ترجمہ قرآن کے پیش لفظ میں تحریر کیا ہے کہ اس وقت مصحف میں موجود ترتیب دراصل حضرت زید بن ثابت کی تیار کردہ ہے، ان کو جمع قرآن کے وقت جس ترتیب سے مختلف مقامات سے قرآن ملتا گیا وہ اسے اسی ترتیب کے مطابق جوڑتے چلے گئے، ان میں کوئی تاریخی ربط یا ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی۔

آرتھر جیفری کا غیر حقیقی رویہ

تعجب کی بات ہے کہ آرتھر جیفری نے تاریخ قرآن کی جن تین کتابوں کی تحقیق کی ہے ان میں کتاب المصاحف، کتاب المبانی فی نظم القرآن اور مقدمہ ابن عطیہ شامل ہیں۔ ان تینوں کتب میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جس سے جیفری کا دعویٰ ثابت ہوتا ہو کہ قرآن کی موجودہ ترتیب درست یا منقول نہیں بلکہ اس کے برعکس کتاب السبانی میں پوری ایک فصل اس بیان میں موجود ہے کہ کلام اللہ آج ہمارے پاس اسی ترتیب کے موافق ہے جیسا کہ منشاء خداوندی تھا نہ کہ ترتیب نزول کے مطابق۔

بعینہ صحابہ کے ذاتی مصاحف کا مصحف عثمانی سے تقابل کرتے وقت بھی جیفری ابن ابی داؤد ہی کی کتاب المصاحف کی اس عبارت سے بتکلف چشم پوشی کرتا نظر آتا ہے جس میں مصحف عثمانی ہی کو تمام صحابہ کا متفقہ مصحف قرار دیا گیا ہے۔ ابن ابی داؤد کی عبارت حسب ذیل ہے:

"لا نری قرائة الالمصحف عثمان الذی اجتمع علیه اصحاب النبی صلی اللہ علیه فان قراء انسان بخلافه فی الصلوة امرته بالا عادة"

"ہمارے خیال میں اصحاب پیغمبر کا مجمع علیہ مصحف عثمان ہی پڑھا جانا چاہئے، اگر کوئی شخص اس کے برخلاف نماز میں قراءات کرے تو اس کو نماز لوٹانے کا حکم دیا جائے گا۔ لیکن مستشرق موصوف کو ابن ابی داؤد کی کتاب المصاحف سے غالباً انہی اجزاء سے اتفاق ہے جو اس کے طے شدہ فکر سے ہم آہنگ

ہیں۔''

ڈی۔ایس۔مارگولیتھ(D.S.Morgoliouth)

قرآنی متن میں تحریف اور کمی بیشی ثابت کرنے کیلئے ڈی ایس مارگولیتھ ایک ایسا مستشرق ہے جو نصوص قرآنیہ اور ذخیرہ احادیث میں سے خصوصیت سے ان نصوص و احادیث کو اپنا مستدل بناتا ہے جن سے بظاہر قرآن مجید کی حفاظت کو مشکوک انداز میں پیش کرنے میں مدد لی جاسکتی ہے، مثلاً وہ مسند احمد کی ایک روایت ذکر کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ آیات گم ہوگئی تھیں۔

''عن عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم قالت : لقد انزلت آیت الرجم ورضعات الکبیر عشراً فکانت فی ورقة تحت سریر فی بیتی فلما اشتکی رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم تشاغلنا بامره و دخلت ذویبة لنا فاکلتها ''

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رجم کی آیت اور بڑے آدمی کے دس رضعات کی آیت نازل ہوئیں تھیں یہ آیات میرے گھر میں ایک چارپائی کے نیچے ایک ورق پر لکھی ہوئی پڑی تھیں۔ جب آنحضرت ﷺ کو (مرض وفات کی) تکلیف شروع ہوئی تو ہم آپ ﷺ کی دیکھ بھال میں لگ گئے، ہمارے ایک پالتو جانور نے اس کاغذ کو کھالیا۔''

لیکن حقیقت یہ ہے کہ روایت میں جن آیات کا ذکر ہے وہ باجماع امت منسوخ التلاوۃ ہوچکی تھیں۔ خود حضرت عائشہؓ آیات کے منسوخ التلاوۃ ہونے کی قائل ہیں کیوں کہ کاغذ پر لکھ کر یہ آیات رکھنا محض ایک یادگار کے طور پر تھا ورنہ اگر یہ آیات حضرت عائشہؓ کے نزدیک قرآن کریم کا جزء ہوتیں تو وہ کم از کم ان کو یاد تھیں وہ ان کو قرآن کریم کے نسخوں میں درج کروادیتیں لیکن انہوں نے ساری عمر ایسی کوشش نہیں کی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خود حضرت عائشہؓ کے نزدیک یہ آیات ایک علمی یادگار کی حیثیت رکھتی تھیں اور قرآن کریم کی دوسری آیات کی طرح ان کو مصحف میں درج کروانے کا کوئی اہتمام ان کی پیش نظر بھی نہیں تھا۔ لہٰذا اس واقعہ سے قرآن کریم کی حفاظت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

ڈی۔ایس۔مارگولیتھ نے قرآن میں کمی وبیشی اور نقائص ثابت کرنے کیلئے جو اعتراضات کیسے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ کچھ آیات بھول گئے تھے لہٰذا آیات کی تعداد میں کمی ہوسکتی ہے، دوم یہ کہ قرآن غیر مکتوب تھا۔ ڈی۔ایس مارگولیتھ نے امام بخاری کی جانب یہ منسوب کیا ہے کہ وہ **''الا ان تصلوا ما بینی و بینکم من القرابة''** کو قرآن کا جزء مانتے تھے۔ جو اس وقت قرآن میں موجود نہیں ہے، حالانکہ ہر شخص صحیح بخاری اٹھا کر دیکھ سکتا ہے کہ

امام بخاری نے آیت کے الفاظ بعینہ وہی نقل کیے ہیں جو قرآن کریم میں موجود ہیں''**الا ان تصلوا .....الخ** ''والا جملہ اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ امام بخاری نے باب کے عنوان میں یہی جملہ نقل کیا ہے جو قرآن کریم میں موجود ہے پھر اس کی تشریح میں۔حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں آیت **الا المودۃ فی القربی** کی تفسیر پوچھی گئی جس کے جواب میں آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ **الا ان تصلوا ما بینی و بینکم من القربۃ** لیکن مارگولیتھ امام بخاری کی طرف، اس قول کو آیت قرآنی ہونے کو منسوب کرنے پر مصر ہیں۔

جان برٹن(John Burton)

مشہور زمانہ مستشرق جان برٹن بھی نص قرآنی کو موضوع بحث بنانے والے مستشرقین میں قابل ذکر ہے اس نے "The Collection of the Quran" کے نام سے کتاب لکھی جس میں قرآن کی جمع وتدوین اور علوم قرآنیہ میں سے علم الناسخ والمنسوخ پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے جان برٹن نے یہ کتاب اپنے رفیق Dr. J. Wansbrough کے تعاون سے لکھی ہے۔

جمع وتدوین پر متفرق اعتراضات کے حوالہ سے جان برشن نے قرآن مجید کی مکتوبی شکل کو نبی ﷺ کے عہد میں موجود ہونے سے انکار کیا ہے اور اس ضمن میں لکھنا ہے کہ:

"Its collection was not under takenuntill some times after the death ofthe prophet"

''قرآن حضور صلی اللہ وسلم کی وفات تک مجموعے کی شکل میں نہیں تھا۔''

اسی ذیل میں وہ چند روایات کا سہارا لیتے ہوئے یہ نظریہ اختیار کرتا ہے کہ قرآن کی اسی غیر تکمیلی حالت کی بناء□ پر اس کا تواتر بھی متاثر ہوا ہے۔چنانچہ حضرت زیدؓ سے مروی روایت میں ان کے الفاظ **فقدت آیۃ**'' (یعنی میں نے سورہ توبہ کی آخری آیت کو نہ پایا) کو بنیاد بنا کر جان برٹن نے قرآن کے نامکمل اور محرف ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

حضرت زیدؓ کی روایت رقم کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"All these elemeents predispose one to an expectation that the editionprepared by Zaid might be incomplete.....The Quran texts which camedown to us from Umar's day are unquestionably incomplete".

جان برٹن اور دیگر مستشرقین کا یہ نظریہ حضرت زید بن ثابت کے قول کو نہ سمجھنے کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے کیوں کہ قول زید کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے یہ آیت حالت کتابت میں کسی کے پاس نہ پائی اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ سورہ توبہ کی آیات، حضرت ابوخزیمہ اور سورہ احزاب کی آیت حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے علاوہ دیگر صحابہ کو یاد نہ تھیں۔

جان برٹن نے اپنی کتاب میں مصاحف کے متعلق اچھی خاصی تفاصیل ذکر کی ہیں وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ صحابہ کرائم سے منسوب مصاحف ہوں یا بڑے شہروں میں پائے جانے والے دیگر قرآنی نسخے یا پھر انفرادی طور پر بعض حضرات سے منسوب مختلف قراءات سب کی سب بعد کے ماہرین لسانیات کی ایجاد ہیں۔

واضح رہے کہ جان برٹن جن روایات کا سہارا لے کر قرآن اور اس کی قراءات کے بارے میں تمہیدات باندھ کر نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کے نزدیک صرف وہی روایات اسلامی ورثہ میں قابل اعتماد ہیں جو اس کی مخصوص فکر سے ہم آہنگ ہیں اور جو اس کے برعکس روایات ہیں وہ ان کو خاطر میں نہیں لاتا۔ ہمیں یہی مزاج تقریباً تمام مستشرقین کے یہاں ملتا ہے جو حقیقی معنوں میں علم و تحقیق کے میدان میں جانبدارانہ رویہ کے مترادف ہے

خود آزمائی

1- متن قرآن کریم کے حوالے مستشرقین کی شبہات کا تحقیقی جائزہ قلم بند کیجئے۔
2- متن قرآن کریم کے حوالے مستشرقین کا نقطہ نظر قلم بند کیجئے۔
3- گولڈزیہر کے ذکر کردہ شبہات کا تنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔
4- بلاشیر کے ذکر کردہ شبہات کا تنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔
5- جارج سیل کے ذکر کر شبہات کا تنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔

حوالہ جات

1- Arthur Jeffery, The Quran as Scripture, Russel & Moore Company, N, 1952.

2- پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری، قرآن مجید ایک مسلسل، معجزہ، ص، اورنٹیل کالج میگزین جلد 2001/6ء

3- اختلاف قراءت اور نظریہ تحریف قرآنی، ص ۴۶۱، محمد فیروز الدین شاہ کھگہ شیخ زاہد اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب

لاہور، پاکستان

4- See, A brief survey of the Publication of the Glorious Quran in the west.P.2

5- محمد فیروزالدین، اختلاف قراءات اور نظریہ تحریف قرآن، ص154

6- گولڈزیہر، **مذاهب التفسير الاسلامی**، ص3- ترجمہ عربی: ڈاکٹر عبدالحلیم النجار، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ قاہرہ، 1374ھ/1955ء

7- نفس المصدر: ص3

8- نفس المصدر: ص4

9- نفس المصدر: ص8و 9

10- نفس المصدر: ص16 تا21

11- گولڈزیہر، **العقيدة والشريعة فی الاسلام**، ص12- دارالکتب الحدیثۃ القاہرہ، مصر، 1959ء

12- **مذاهب التفسير الاسلامی**: ص53

13- الشلبی، عبدالفتاح، **رسم المصحف والاحتجاج به فی القراءات**، ص35، مکتبہ

14- علی الصغیر، محمد حسین، **الدكتور، المستشرقون والدراسات القرآنية**: ص85، المؤسسۃ الجامعیۃ للدراسات والنشر والتوزیع، ط1، بیروت 1403ھ/1983ء

15- الزنجانی ابوعبداللہ، تاریخ القرآن: ص49 تا61، موسسۃ الاعلمی، بیروت، 1388ھ/1969ء

16- علی الصغیر، **المستشرقون والدراسات القرآنية**: ص90

17- بروکلمان، **تاريخ الادب العربی**، 1/140- عربی ترجمہ عبدالحکیم النجار، دارالمعارف القاہرہ، مصر، ط4- سن

18- Noldeke –Theoder, Geshichte des Qor, ans, P.1 to 3 (Gottingen, 1860)

19- بلاشیر، القرآن نزوله تدوينه ترجمته و تاثيره (تمہید المترجم ص9,10، مترجم: رضا سعادۃ- تعلیق شیخ محمد علی الضبعی، دارالکتاب اللبنانی، بیروت، س ن

20- نجیب العقیقی، **المستشرقون**، 1/316- دارالمعارف، قاہرہ، 1965ء

21- القرآن نزولہ تدوینہ ترجمتہ وتاثیرہ۔2/167 تا176

22- التہامی نقرہ،القرآن و المستشرقون، ص31 تاطڈ ،المجلس الاعلی لشون الاسلامیہ مصر،1965ء

23- مرجع سابق،ص31 تا40

24- مرجع سابق،ص31 تا40

25- مسلم بن حجاج القشیر ی،الجامع الصحیح ،کتاب الزهد و الرقاق، باب التثبت فی الحدیث و حکم کتابة العلم ،ج4،ص2298-رئاسة ادارة البحوث العلمیة بالممکته العربیة السعودیة ،1400ھ/ 1980ء

26- محمد الغزالی،دفاع عن العقیده و الشریعة ضد مطاعن المستشرقین، ص:13،دارالکتب الحدیثۃ مصر، ط1384ھ

27- علی الصغیر،المستشرقون و الدراسات القرآنیه :ص91

28- یہ کتاب عادل زعیتر کی تعریب کے ساتھ مطبع عیسی البابی الحلبی ،قاہرہ مصر سے1884ء میں شائع ہوئی۔

29- علی الصغیر،المستشرقون وو الدراسات القرآنیه:ص86-

30- شیخ محمد رضاء الوحی المحمد ی،ص9،المکتب الاسلامی بیروت،1405،10ھ-

31- محمد حسین ہیکل حیات محمد ﷺ،ص41-5۔المکتب الاسلامی بیروت،1403ھ

32- Watt Monntgomery, Muhammad the Prophet and.30 Statesman,p. 17.Oxford University PressLondon, 1961

33- Watt Montgomery, Muhammad at Mecca, p.80 Eddinburgh at the University Press. 988

34- Watt Montgomery,Muhammad the Prophet and Statesman,p.41

35- محمد ایٹ مکہ پر ایک نظر ترجمہ: سید صباح الدین عبدالرحمٰن بحوالہ معارف اعظم گڑھ،ص208۔

36- George Sale,The Koran, P.49. Fredrick Worn andCompany,New york.1890

37- Ibid 171

38- تفصیل کے لئے محمد فیروز الدین، اختلاف قراءات، ص178

39- M.A, Chaudhary, Orientalism on Variant Readings of the Quran : The Case of Arthur Jeffery, P, 170. The American Journal of Islamic Social Sciencees. Vol. 12, Summer 1995 No 2. Jintly Published Qashington, D. C. Kualalmpur and Islamabad.

40- Ibid-171

41- ابن ابی داؤد، **کتاب المصاحف**، ص12، تحقیق: آرتھر جیفری، المطبعۃ الرحمانیۃ مصر، ط1,1936ء/ 1355ء

42- ابوعبید القاسم بن سلام، **فضائل القرآن** ص157-دار الکتب العلمیۃ بیروت۔1991ء۔

43- ابن ابی داد، کتاب المصاحف، ص5، تحقیق: آرتھر جیفری

44- Rodewll J. M. The Koran (Translated). p, 2, London, 1953.

45- آرتھر جیفری، مقدمتان فی علوم القرآن، فصل ثالث، ص39 تا77، مکتبۃ الخانجی مصر، 1392ھ

46- ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف، ص۴۵۔

47- Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol. 10,9,5,4,3. Edited by: James hastings M.A.D.D. New york, Chables. Scribner's Sons, Edinburgh,T&T.CLARK.1910.

48- احمد بن حنبل، مسند احمد، حصہ زوائد، مسندات عائشہ، 6/269

49- تقی عثمانی، علوم القرآن، ص220

50- الشوری:23

51- تقی عثمانی، علوم القرآن، ص220، انسائیکلوپیڈیا ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد:10، ص:543

52- بخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، سورہ حم عسق، ج3 جزء سادس، س37۔ دار الفکر للطباع والنشر، 1401ھ: صحیح بخاری میں یہ روایت اس طرح منقول ہے۔

باب قولہ الا المودۃ فی القربی، حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبۃ

عبد الملک بن میسرۃ قال سمعت طاؤ ساعن ابن عباس انه سئل عن قوله الا المودة فی القربی فقال سعید بن جبیر قربی آل محمد ﷺ فقال ابن عباس عجلت ان النبی ﷺ لم یکن بطن من قریش الا کان له فیهم قرابة فقال الا ان تصلوا ما بینی و بینکم من القرابة

حدیث کے الفاظ سے واضح ہورہا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک قرآن صرف وہی ہے جوانہوں نے ترجمہ الباب میں ذکر کردیا اور الا ان تصلوا ما بینی وبینکم من القرابۃ صرف اس کے متعلق تشریحی جملہ ہے۔

53- مفتی محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، ص220- مکتبہ دارالعلوم کراچی، 1423ھ/2003۔

54- John Burton, The Collection of the Quran, P VII. Cambridge University

55- Ibid

یونٹ نمبر 4

قرآن اور مستشرقین

قرآن اور علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ

ترتیب وتدوین
ڈاکٹر ثناء اللہ حسین

یونٹ کا تعارف

متن قرآن کریم اوراس کی مختلف منقولی قراءات پراعتراضات دراصل موجودہ استشراقی تحریک کا نتیجہ نہیں ہیں اور نہ ہی یہ تحریک جداگانہ طرز فکر کی مستقل بنیادوں کی حامل ہے بلکہ یہ تمام شبہات اور اعتراضات نزول قرآن کے وقت اہل کتاب اور کفار مکہ کے ان شبہات اور قدیم مطاعن کا ایک تسلسل ہے جو کبھی تو مسلم سلطنت کے رعب ونسطوت کے تحت مغلوب ہوجاتے اور کبھی کبھی نئے طمطراق سے بیدار ہوجاتے اس یونٹ میں متن قرآنی کے بارے مستشرقین کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضور صلی این نام کی حیات طیبہ میں پورا قرآن مختلف صحف کی شکل میں ضبط تحریر میں آچکا تھا اور قرآن کریم دنیا کی واحد کتاب ہے جس کی حفاظت کے لیے حفظ وکتابت اور ترتیل کی سرگونہ کوشش عمل میں آئیں، مستشرقین نے جمع قرآن کریم کے ساتھ باقی علوم القرآن پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کی تعداد بہت ہے اور انہوں نے مختلف نوعیّتوں اور جہتوں سے علوم القرآن پر اعتراضات کیسے ہیں۔

اس یونٹ میں جمع قرآن کریم اور کتابت قرآن کریم پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتحقیقی جائزہ پیش کیا جارہا ہے اس طرح قرآن کریم کی مختلف قرآتوں پر اعتراضات، معوذتین کی قرآنیت پر اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کیا گیا ہے اور پھر آخر میں مزید مطالعہ کے لیے حوالہ جات میں بعض کتابوں کا فہرست بھی پیش کی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

1- متن قرآنی سے متعلق استشراقی فکر کے مآخذ جان سکیں۔
2- شاذہ قراءات سے استدلال جان سکیں۔
3- این شنبوز سے منسوب قراءات شاذہ کی مثالیں جان سکیں۔
4- ابن منقسم کا موقف جان سکیں۔
5- تورات وانجیل میں وقوع تحریف کے شواہد جان سکیں۔
6- علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کرسکیں۔
7- مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب قلم بند کرسکیں کہ عہد رسالت میں حفاظ کی تعداد صرف چار تھی۔
8- معوذتین کی قرآنیت پر مستشرقین کے اعتراضات پر ایک علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کرسکیں۔

متن قرآنی سے متعلق استشراقی فکر کے مآخذ

قرآن کریم کے متن اور اس کی مختلف منقولی قراءات پر اعتراضات دراصل موجودہ استشراقی تحریک کا نتیجہ نہیں ہیں اور نہ ہی یہ تحریک جداگانہ طرز فکر کی مستقل بنیادوں کی حامل ہے، بلکہ یہ تمام شبہات اور اعتراضات نزول قرآن کے وقت اہل کتاب اور کفار مکہ کے ان شبہات اور قدیم مطاعن کا ایک تسلسل ہیں جو کبھی تو مسلم سلطنت کے رعب وسطوت کے تحت مغلوب ہوجاتے ہیں اور کبھی زوال شوکت کے سبب نئے طمطراق سے بیدار ہوجاتے ہیں۔

مآخذ اول: کفارِ عرب کے دعوے اور دلائل

کفار نے قرآن کریم کو انسانی کلام ثابت کرنے کیلئے طرح طرح کے الزامات لگائے جن میں دلائل کی قوت کی بجائے محض دعوؤں کے انبار تھے مثلاً وہ قرآنی مضامین کے بارے کہا کرتے تھے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ نِ افْتٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُ وْ ظُلْمًا وَّزُوْرًاO وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًاO

شیخ الہند اپنے تفسیری حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ کفار مکہ قرآن کو محمد ﷺ کا اختراع قرار دیتے تھے جو چند یہودی غلاموں کی مدد سے بنایا گیا ہے نیز محمد ﷺ نے اہل کتاب سے کچھ قصے کہانیاں سن کر نوٹ کر لی ہیں یا کسی سے نوٹ کرالی ہیں وہی ان کے سامنے شب و روز پڑھی اور رٹی جاتی ہیں۔ اسی طرح مشرکین نے قرآن کو محمد ﷺ کا ذاتی کلام اور جادو وغیرہ قرار دیا۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ O اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ O وہ یہ بھی مشہور کرتے تھے کہ یہ کسی کاہن اور شاعر کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعویٰ کا ابطال اس طرح کیا: وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ O وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ط قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ O تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ O مشرکین اور دشمنان قرآن نے رسول ﷺ پر یہ تہمت بھی لگائی کہ یہ قرآن وہ کسی عجمی راہب سے اخذ کرتے تھے اور پھر اس کو وحی کا نام دے کر فصیح عربی میں تلاوت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ یوں کیا ہے: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ O اللہ تعالیٰ نے معترضین کے اعتراض کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے: اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتٰرٰهُ ط قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًاO

قرآن کریم میں ذکر کردہ ان نصوص سے مستشرقین کی فکر واضح ہوتی ہے کہ وہ قرآن کریم کو آسمانی کتاب ماننے سے نکار کرتے ہیں اور اس کو انسانی کلام قرار دیتے ہیں۔ یہی وہ بنیادی فکر ہے جو بعد میں مستشرقین نے بالواسطہ طور پر اپنائی اور نص قرآنی، قراءات قرآنی سورتوں کی ترتیب اور مصاحف صحابہ کو اپنا موضوع تحقیق بنایا اور کمزور روایات کو اپنا مستدل بنا کر متعدد شکوک وشبہات قائم کیے۔

عرب کے قدیم یہود ونصاریٰ کی ہی تقلید میں مستشرقین جدت کا لبادہ اوڑھ کر دور حاضر میں قرآنی متن کو غیر محفوظ قرار دینے کی کوششوں میں مصروف عمل نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ نا قابل تردید ہے کہ قدیم مطاعن کے مقابلے میں دور جدید میں استشراقی منہج جدید علمی نزاعات اٹھانے میں قدرے ترقی یافتہ اور بظاہر غیر جانبدارانہ تحقیق کا روپ دھارے ہوئے ہے۔ لہٰذا قدیم مستشرقین (یہود ونصاریٰ) تیسری صدی ہجری کے مستشرقین کے لئے پیش رو کی حیثیت تو رکھتے ہیں لیکن شبہات کے نئے پہلو اور فروعات متعارف کرانے میں وہ اوائل سے سبقت لے گئے ہیں اسی طرح قرون وسطی اور دور جدید کی استشراقی فکر زیادہ منظّم اور جامع محسوس ہوتی ہے۔

ماخذ دوم: آیات وروایات سے استدلال

قرآنی آیات اور احادیث وروایات سے مستشرقین نے جو فکر لی ہے اس کے نتیجہ میں وہ قرآن کی جمع وتدوین اور اس کی کتابت وحفاظت پر تنقید کرنے کے ساتھ ساتھ یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں آج جو قرآن موجود ہے وہ اپنی مکمل شکل کے برعکس نقائص اور حذف وزیادت کا شکار ہوا ہے۔ مثلاً منٹگمری واٹ اور جارج سیل وغیرہ نے آیت قرآنی سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی . اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کی بنیاد پر یہ کہا ہے کہ قرآن کی کچھ آیات بھلا دی گئی تھیں حالانکہ یہ غلط ہے کیوں کہ اگر کسی وقت کچھ آیات بھلا بھی دی گئی ہوں تو یہ نسخ کی ایک صورت ہوسکتی ہے جس سے قرآن کی محفوظیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جبکہ وہ نصوص جن میں قرآن کی حفاظت کا خدائی وعدہ مرقوم ہے مستشرقین ان کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ احادیث وروایات کے حوالہ سے مستشرقین کے قرآن کے متعلق تحریفی نظریات کا جواب عام ضابطہ کے تحت اسی قدر ہی کافی ہے کہ قرآن کی حفاظت تواتر اور اجماع قطعی سے ثابت ہے اور جو روایت اس کے خلاف پیش کی جاتی ہے وہ اکثر ضعیف اور زیادہ سے زیادہ خبر واحد ہوتی ہے جو ظن کا درجہ رکھتی ہے۔ جبکہ ظنی، قطعی کے مقابلہ میں کالعدم ہے اور قرآن متواتر اور قطعی کلام ہے۔ مستشرقین نے چند قرآنی آیات اور اخبار آحاد سے جو فکر مستعار لی ہے وہ قطعی طور پر علمی حقائق سے بعید اور باطل تاویلات پر مبنی ہے۔

ماخذ سوم: مصاحف عثمانیہ پر تنقید

مصاحف عثمانیہ چونکہ مختلف قراءات کے محافظ اور امین ہیں اور تمام صحابہ کا مجمع علیہ وثیقۂ ربانی ہیں جن کی رسم شکل اور قراءات پر پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے، ان کے متعلق استشراقی فکر کا متوجہ ہونا اس لحاظ سے باعث حیرت نہیں ہے کہ انہی مصاحف عثمانیہ کی بنیاد پر قرآنی قرارات میں پیدا ہونے والی متوقع نزاع کا اختتام ہوا۔ چنانچہ مستشرقین اس کو نئے سرے سے ایک الجھن کے طور پر پیش کرنے کیلئے ان مصاحف میں غلطیوں کی گنجائش کے شوشے چھوڑنے کے درپے ہوئے اس ضمن میں مصاحف عثمانیہ پر متعدد شبہات پیش کیے جاتے ہیں۔

قرآن میں لحن کی حقیقت

مصاحف عثمانیہ پر ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ پر جب مکتوب مصاحف پیش کیے گئے تو آپ نے دیکھنے کے بعد ارشاد فرمایا ''**قد احسنتم و اجملتم اری فیه شیئا من لحن ستقیمه العرب بالسنتها** ''تم نے اس کو اچھا اور بہتر کیا ہے لیکن میں اس میں دیکھتا ہوں جن کو عرب اپنی زبان کی بنیاد پر درست کرلیں گے۔

اس روایت کو نہ صرف مستشرقین بلکہ بعض ملحدین مثلاً علامہ الحداد نے بطور طعن استعمال کرتے ہوئے اس کو قرآن میں تبدیلی اور تحریف کے ضمن میں پیش کیا ہے۔ حالانکہ علامہ دانی نے اس حدیث کو مرسل قرار دیا ہے کیوں کہ ابن یعمر اور عکرمہ (جن کی طرف یہ روایت منسوب ہے) کا حضرت عثمانؓ سے سماع ثابت نہیں اور نہ ہی انہوں نے نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا ہے، نیز حضرت عثمانؓ کے مرتبہ و مقام کی بناء پر بات بعید از قیاس ہے کہ صحابہ کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ نے کسی غلطی کو قرآن میں باقی رہنے دیا ہو اور صحابہ نے اس سے اختلاف رائے نہ کیا ہو۔

ہمیں اس بات کے شواہد بھی ملتے ہیں کہ مصاحف جلی اور مبسوط الفاظ قلم سے لکھے گئے تھے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ بعض جگہوں میں ایک لفظ سطر کے آخر میں پورا نہ آسکا تو اس کے بقیہ حصہ کو دوسری سطر میں لکھا دیا گیا۔ اس کی مثال غانم قدوری نے قاہرہ میں موجود مصحف سے پیش کی ہے جس میں کلمہ (الکتب) پانچویں اور چھٹی سطر میں منقسم ہے، کاتب نے (الکتب) کا الف پانچویں اور باقی حصہ چھٹی سطر میں لکھا ہے۔

اسی طرح کی ایک تصویر ہمیں انسائیکلوپیڈیا انکارٹا میں بھی ملتی ہے جس میں صفحہ اول کی آخری سطر میں لفظ **حاسد** کا جزء "**حا**" سطر پانی کے آخر جبکہ "**سد**" سطر چھ کے شروع میں ہے۔

اگر بالفرض روایت کو درست تسلیم کرلیا جائے تو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جس لحن کے متعلق یہ ارشاد

فرمایا کہ اس کو عرب خود درست کر لیں گے سے مراد مذکورہ لحن ہے جس کو اہل عرب کیلئے پڑھنا اور درست کرنا کوئی مشکل نہ تھا۔

ماخذ چہارم: صحابہ کے ذاتی مصاحف سے استدلال

مستشرقین نے صحابہ کے ذاتی مصاحف کو بھی قرآن کریم میں تحریف کا ایک عنصر گروتا ہے۔ اس حوالہ سے آرتھر جیفری نے صحابہ اور تابعین کے اٹھائیں مصارف کا مصحف عثمانی سے تقابل کر کے چھ سو سے ائد مقامات کی نشاندہی کی ہے جو موجودہ مصحف سے مطابقت نہیں رکھتے۔

ماخذ پنجم: شاذہ قراءات سے استدالال

مصاحف صحابہ کے بعد مستشرقین کا سب سے بڑا مصدر شاذہ قراءات ہیں ان کے خیال میں ہر طرح کی روایت جو مصحف عثمانی کے برعکس ہو، انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور ان کی بنیاد پر وہ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ دراصل مصاحف میں متعدد حذف وزیادت کی ضرورت تھی جس کو پورا نہ کیا گیا جس کی بناء پر وہ رفتہ رفتہ شاذہ قراءات کی ابن شنبوذ (م ۳۲۸ھ) اور ابن مقسم (م ۳۶۲ھ) کے بڑے مداح نظر تے ہیں جنہیں مصحف عثمانی کے نفاذ سے قبل کی غیر قانونی قرار دی جانے والی قراءات سے منع کر دے گیا تھا۔ مستشرقین نے قرآنی قراءات کو ائمہ قراءات کا اختیار دیتے ہوئے سند در روایت کی بجائے ان کو لسانی اور ذوقی بنیادوں پر مبنی ٹھہرایا ہے اس سلسلہ میں وہ شاذ قراءات نقل کرنے والے افراد کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔

ماخذ ششم: ابن مقسم العطار کا موقف

قراءات قرآنیہ میں اضطراب اور تحریف واختراع کے ثبوت میں استشر اقی فکر جن نظریات سے متاثر ہوئی ہے ان میں ابن مقسم العطار کا نظریہ بھی شامل ہے۔ جنہوں نے چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں ابن مجاہد کی وفات سے قبل قراءات کی صحت کیلئے جس ضابطہ کی تشہیر کی وہ یہ تھا کہ ہر وہ قراءات جو رسم کے موافق ہو، وجوہ عربیہ میں سے کسی ایک وجہ سے مطابقت رکھتی ہو وہ صحیح اور قابل اعتبار ہے اگر چہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔ چنانچہ ابن ابی ہاشم اپنی کتاب ''البیان'' میں لکھتے ہیں:

وقد نبغ من عصر نافزعم ان کل ما صح عنده وجه فی العربیة الحرف من القرآن یوافق خط المصحف فقراته جائزه فی الصلوة و غیرها

علامہ دانی (۴۴۴ھ) نے ابن مقسم کے اس مقیاس پر تعجب کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص کا دعویٰ اس فن کو روایات وطرق کی دنیا سے نکال کر کسی دوسرے میدان میں لے جانا چاہتا ہے اور قراءات صحیحہ کی تحدید روایات کے بغیر کرنا چاہتا ہے۔ روایات کی اس قدر کثرت اور مصاحف کے امصار میں پھیلنے کے باوجود اس کا یہ دعویٰ کسی فن سے مناسبت رکھنے والے ماہر

سے صادر ہونا قابل تعجب ہے۔

مصطفیٰ صادق الرافعی، ابن مقسم کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ قراءات کے معروف قاری ہیں لیکن انہوں نے اجماع کی مخالفت کی اور قراءات کی ایسی وجوہ متعارف کروائیں جو لغت اور معنی کے اعتبار سے درست ٹھہرتی تھیں سند و روایت کی صحت سے خالی تھیں۔ مثلاً فَلَمَّا اسْتَايْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا میں نَجِيًّا کی بجائے نجبا پڑھا ہے۔ اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ وہ اس روایت میں منفرد ہے۔ اسی قبیل سے ابن منقسم العطار سے کلمات میں تصحیف اور غیر منقول قراءات بیان کی گئی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ابن مقسم نے ان شاذہ قراءات کو توبہ کرنے کے باوجود اپنی وفات تک نہیں چھوڑا۔ چونکہ ابن مقسم اپنے زمانے میں کوفہ کے تمام نحویوں میں سے ایسا عالم تھا جو مشہور غریب اور شاذ قراءات کو بہت زیادہ جانتا تھا اور ضبط میں بھی بہت مشہور تھا اس لئے اس قسم کی روایات کا اس پر غلبہ رہا۔

ابن مقسم نے متعدد کتب تالیف کی ہیں جن میں سے چند کا تذکرہ ابن ندیم نے کیا ہے۔ ان کا تعلق زیادہ تر لغت، شعر اور قراءات کی کتب سے ہے۔

مستشرقین جس تحریف کو قرآن کریم میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دراصل اسکے برعکس ان کی اپنی کتب بہت سی تحریفات کا شکار ہوئی ہیں ہم آئندہ بحث میں یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ تحریف کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ اور قرآن کریم میں تحریف ثابت کرنے والے دراصل اپنی کتب (تورات وانجیل) میں واقع تحریفات سے آگاہ ہونے کی وجہ سے قرآن کو بھی انہی کے مساوی لانے کے خواہشمند ہیں۔

(۲) جمع قرآن کریم پر اعتراضات

کیا رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں پورا قرآن کریم لکھا جا چکا تھا یا نہیں؟

مستشرقین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ چونکہ صدیق اکبر کے دور میں قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے اور حضرت عثمان غنی کے دور میں لغت قریش کے مطابق قرآن کریم کے نسخے تیار کروا کر مختلف علاقوں میں بھیجنے کی جو کوششیں ہوئیں، اس بات پر دلیل ہے کہ قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تحریر نہیں ہوا بلکہ اس کو بعد میں آپ کے جانشینوں نے تحریر کیا، یہاں پر ہم مستشرقین کے اس اعتراض کا تنقیدی جائزہ ذکر کریں گے کہ جو قرآن کریم حضور ﷺ نے اپنی امت کے سامنے پیش کیا تھا وہ محفوظ نہیں رہا بلکہ انسانی ہاتھوں نے اس میں ترامیم اور اضافے کر دیئے ہیں اور قرآن رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں کتابی شکل میں موجود نہیں تھا۔

''بلاشیر'' قرآن کریم کی حفاظت مشکوک بنانے کیلئے کہتا ہے:

''وحی کی تدوین کا خیال محمد ﷺ کو مدینہ طیبہ میں مقیم ہونے کے بعد پیدا ہوا، نیز قرآن کی تدوین جزوی تھی اور اس کا انحصار انفرادی کوششوں پر تھا جس کی وجہ سے اختلافات کا رونما ہونا قدرتی بات تھی۔''

اس طرح آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) غلط تاثر دیتے ہوئے لکھتا ہے:

"It is clear that he had been preparing a book for his community.whichwould be for them what the old testment was for the jews and the NewTestament for the cristians, but he died before his book was ready,andwhat we have in the Quran is what his followers were able togather after his death and issue as the corpus of his are velations"

''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اپنی امت کیلئے ایک کتاب تیار کر رہے تھے جس کی آپ کی امت کے نزدیک وہی حیثیت ہوگی جو یہودیوں کے نزدیک عہد نامہ قدیم کی اور عیسائیوں کے نزدیک عہد نامہ جدید کی ہے، لیکن کتاب کی تکمیل سے پہلے آپ کا انتقال ہوگیا اور آج قرآن میں جو کچھ ہے یہ وہ ہے جس کو آپ کے پیروکار آپ کے انتقال کے بعد جمع کرنے میں کامیاب ہوئے اور انہیں آپ کے الہامات کے مجموعے کے طور پر شائع کر دیا۔''

ایچ اے آر گب (H.A.R.Gibb) نے بھی یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ تالیف قرآن کا کام حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں مکمل نہیں ہوا، وہ لکھتا ہے:

"It seems possible that the work of compilation was begun in his life time, but it was completed only some years after his death"

''یہ بات ممکن معلوم ہوتی ہے کہ تالیف قرآن کا کام آپ کی زندگی میں شروع ہوگیا تھا، لیکن اس کی

تکمیل آپ انتقال کے کچھ عرصہ بعد ہوئی۔''

علمی وتنقیدی جائزہ

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو قرآن کریم نازل ہوا وہ حرف بحرف محفوظ ہے اور آج قرآن کریم اسی طرح پڑھا جارہا ہے جس طرح حضور ﷺ کے زمانے میں پڑھا جاتا تھا۔

حضور ﷺ کے زمانے میں کسی کلام کو محفوظ کرنے کے دو ذریعے تھے ایک حفظ فی الصدور اور دوسرا حفظ فی السطور، دوسرے طریقے کے لئے پتھر، کھجور کے درختوں کے پتے، ہڈیاں یا چمڑے کے ٹکڑے وغیرہ حضور ﷺ نے قرآن کریم کی حفاظت کے لئے یہ دونوں طریقے بھرپور انداز میں استعمال کئے، ابتداء میں حضور ﷺ کا طریقہ یہ تھا جب جبرائیل علیہ السلام ایک ایک آیتیں لے کر آپ ﷺ کے پاس تشریف لاتے تو رسول اللہ ﷺ جبرائیل امین کے تلاوت کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی سے قرآن کریم پڑھنے کی کوشش کرتے تاکہ آپ پر جو وحی نازل ہورہی ہے وہ حفظ ہو جائے اور اس میں سے کوئی چیز ضائع نہ ہو، اس عمل سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداء ہی سے رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کو محفوظ کرنے کے بارے کتنے سنجیدہ تھے اور اس عمل پر قرآن بھی شاہد ہے اور اس میں مستشرقین کے اس مفروضے کی تردید بھی ہے کہ تدوین قرآن اور حافظت قرآن کا خیال رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کے بعد آیا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ز وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا اور نہ عجلت کیجئے قرآن کریم کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف وحی اور دعا مانگا کیجئے میرے رب! (اور) زیادہ کر میرے علم کو۔'' یہ حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو یہ تسلی دیتے ہیں کہ آپ کو حفاظت قرآن کے سلسلے کا سلسلہ مکمل ہوگا، پھر آیات اور سورتوں کے توقیفی کے سلسلہ میں ڈاکٹر شلبی لکھتے ہیں۔

"وکان جبریل کلما نزل بشی ارشد الرسول الی مکانه لیقراء القرآن مرتبا کما اراده الله و کما هومدون فی اللوح المحفوظ لا کترتیبه حسب النزول ولهذا کان الرسول کلما نزلت علیه الایة اولایت یقول ضعوها فی السورة التی یذکرفیها کذابین ایة کذا وایة کذا" حضرت جبرائیل امین جب کبھی کچھ وحی لے کر نازل ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کو یہ بھی بتاتے کہ ان آیات کی جگہ کون سی ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کی تلاوت اس ترتیب سے کریں جو ارادہ خداوندی کے مطابق ہے اور جس ترتیب سے قرآن کریم لوح محفوظ میں مدون ہے نہ کہ قرآن کریم کی ترتیب نزولی کے مطابق۔''

اس کے بعد حضور ﷺ نام حضرت جبرائیل امین کی قرآت ختم کرنے کا انتظار فرماتے پھر آپ اسی طرح خود پڑھتے

جس طرح حضرت جبرائل نے پڑھا ہوتا، جبرائیل کے واپس چلے جانے کے بعد آپ نازل شدہ قرآن کریم ان صحابہ کرائم کو پڑھ کر سناتے جو آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو وہ ترتیل کے ساتھ پڑھیں پھر آپ کچھ کاتبین وحی کو طلب فرماتے تاکہ وہ نازل شدہ آیات کو لکھ لیں، اسی طرح جب قرآن کریم نازل ہوتی تو صحابہ کرام انہیں یاد کرتے اور انہیں لکھنے کے کام آنے والی جو بھی چیز مثلاً کھجور کے درخت کے پتے پتھر کی سلیں، کندھوں کی ہڈیاں اور چمڑے کے ٹکڑے میسر آئی اس پر انہیں لکھ لیتے، پھر یہ مکتوب حضورﷺ کے کاشانہ اقدس میں رکھ دی جاتا۔ یہ کام اسی طرح جاری رہا حتی کہ قرآن کریم مکمل طور پر نازل ہوا اور ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیﷺ کو جبریل امین سے وحی قبول کرنے کا طریقہ بھی سمجھا دیا اور فرمایا کہ جبریل امین کے قرآت سے فارغ ہونے تک آپ انتظار کریں۔

لَاتُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖo اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗo فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗo ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗo

''اے محمدﷺ آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کرلیں اس کو ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کو پڑھانا، پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسی پڑھنے کا پھر ہمارے ذمے ہے اس کو کھول بیان کردینا۔''

اس ہدایت ربانی کے بعد حضورﷺ اس کے مطابق وحی کو حضرت جبریل امین سے قبول فرماتے۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ شلبی لکھتے ہیں۔

''ثم ان جبریل کا ینزل فی لیالی رمضان من کل عام لعرض مانزل من القرآن فکان یقراء، اولاً ورسول اللّٰہ یقرء کما قرء بترتیبه الی ان کان العام الاخیر الذی توفی فیه رسول اللّٰہ فعرضه مرتین وبعد ذلک یقری رسول اللّٰہ علی اصحابه حسبما عرضه جبریل ولم ینتقل رسول اللّٰہ الی الرفیق الاعلیٰ – الا والقرآن کله محفوظ مرتب الایات فی صدور اصحابه ومکتوب کله فی الصحف فی بیته غیر انه لم یکن مجموعاً فی مصحف واحد

''پھر حضرت جبریل امین ہر سال رمضان کی راتوں میں حضورﷺ کے ساتھ نازل شدہ قرآن کریم کا دور کرنے کے لئے نازل ہوتے پہلے حضرت جبرائیل امین پڑھتے پھر حضورﷺ اس ترتیب سے پڑھتے جس ترتیب سے حضرت جبرائیل نے پڑھا ہوتا، یہ سلسلہ جاری رہا حتی کہ وہ سال آگیا جس میں

حضورﷺ نے دار فانی سے کوچ فرمایا، اس سال جبرائیل امین نے رسول اللہﷺ سے دو بار قرآن کریم کا دور فرمایا، اس کے بعد رسول اللہﷺ صحابہ کرام کے سامنے قرآن کریم کو اسی طرح پڑھتے جس طرح حضرت جبرائیل امین نے آپﷺ کے سامنے پڑھا تھا جب حضورﷺ اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس چلے گئے تو قرآن کریم مکمل طور پر محفوظ ہو چکا تھا یہ کلام پاک آیات الہامی ترتیب کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام کے سینوں میں محفوظ تھا اور اس کے تمام اجزاء صحف کی شکل میں کتابت شدہ آپ کے کاشانہ اقدسﷺ میں محفوظ تھے البتہ اس وقت تک قرآن کریم کو ایک مصحف کی شکل میں ابھی جمع نہیں کیا گیا تھا۔"

حاصل بحث یہ ہے اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضورﷺ کی حیات طیبہ میں پورا قرآن کریم مختلف صحف کی شکل میں ضبط تحریر میں آچکا تھا، اور بے شمار سینوں میں بھی محفوظ ہو چکا تھا اور صحابہ کرام قرآن کریم کی تلاوت اسی ترتیب سے کرتے تھے جس ترتیب سے جبرائیل امین نے رسول اللہﷺ سے اس کا دور کیا تھا اور جس ترتیب کے ساتھ وہ حضورﷺ کی حیات طیبہ میں پڑھتے تھے جہاں تک آیات کی ترتیب کا مسئلہ ہے امت کے علماء کا ہر زمانے میں اس بات پر اجماع رہا ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے، قرآن کریم دنیا کی واحد کتاب ہے جس کی حفاظت کے لئے حفظ وکتابت اور ترتیل کی سرگونہ کوشش عمل میں آئیں، مستشرقین چونکہ اپنی ہر چیز کو معیار قرار دینے اور دوسری چیزوں کو اس خود ساختہ معیار پر پرکھنے کے عادی ہیں، اس لئے حفظ وترتیل کی شکل میں حفاظت قرآن کریم کی جو بے مثال کوششیں عمل میں آئیں وہ ان کو کوئی اہمیت دینے کیلئے تیار نہیں۔

احادیث طیبہ میں متعدد ایسے صحابہ کرام کے نام مذکور ہیں جن کو پورا قرآن حکیم حفظ تھا ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود، سالم بن معقل مولی ابی حذیفہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوزید بن السکن اور ابوالدرداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بعض صحابہ کرام وہ ہیں جن کو رسول اللہﷺ قرآن کریم کا مستند معلم قرار دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص سے مروی ہے،

فرماتے ہیں:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول خذوا القرآن من اربعة من عبد الله بن مسعود و سالم ومعاذ وأبى ابن كعب

''میں نے رسول اللہﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا، قرآن حکیم چار اشخاص سے حاصل کرو، عبداللہ بن مسعود،

سالم، معاذ اور ابی ابن کعب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین''

احادیث طیبہ میں کچھ صحابہ کرائم کے متعلق وضاحت کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کو حفظاً اور کتابتاً جمع کر رکھا تھا۔

عن قتادة قال : سألت انس ابن مالک من جمع القرآن علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال اربعة کلهم من الانصار؛ ابی بن کعب و معاذ بن جبل وزید بن ثابت و أبوزید: قلت: من ابوزید؟ قال: احد عمومتی

''حضرت قتادہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کن لوگوں نے قرآن کریم کو جمع کیا تھا؟ آپ نے فرمایا چار اشخاص نے جو تمام کے تمام انصار میں سے تھے، ابی بن کعب، معاذ جبل، زید بن ثابت اور ابوزید، قتادہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا کون ابوزید؟ تو آپ نے فرمایا میرے چچاؤں میں سے ایک''

ہم پہلے یہ واضح کر چکے ہیں کہ اس روایت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام کی پوری جماعت میں ان چار حضرات کے سوا کوئی اور قرآن کریم کا جمع کرنے والا نہیں تھا۔

صحابہ کرامؓ کا قرآن کریم کو پڑھنے اور حفظ کرنے کے اسی شوق کا نتیجہ تھا کہ حضور ﷺ کے دور مبارک میں حفاظ قرآن کریم کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی تھی کہ صرف بئر معونہ کے واقعہ میں ستر حفاظ شہید ہوئے۔ اس طرح جنگ یمامہ جو کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے تھوڑا ہی عرصہ بعد ہوئی تقریباً ستر حفاظ کرام شہید ہوئے تھے۔ ابوعبیدہ نے " کتاب القراءات میں خلفائے اربعہ کے علاوہ متعدد مہاجرین وانصار کے نام لکھے ہیں جنہیں قرآن کریم یاد تھا، یہاں ایک سوال ذہن میں ابھر سکتا ہے کہ اگر عہد رسالت میں حفاظ کرام کی تعداد اتنی زیادہ تھی تو پھر احادیث میں صرف چھ سات صحابہ کرام کو حفاظ کرام کے طور پر کیوں پیش کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب مناع القطان فرماتے ہیں:

''بخاری شریف کی مذکورہ بالا تین روایات میں عہد رسالت کے حفاظ کی تعداد کے سات میں محصور ہونے کا جو تاثر ابھرتا ہے اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ یہ خوش نصیب ہیں جنہوں نے سارے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کر کے اسے رسول ﷺ کو پڑھ کر بھی سنایا اور ان سے متصل اسناد کے ساتھ ہم تک قرآن کریم پہنچا ان کے علاوہ حفاظ قرآن کریم کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن ان میں مذکورہ بالا تمام چیزیں جمع نہ تھیں، امت مسلمہ نے قرآن کریم کی حفاظت کے لئے حفظ وترتیل کا جو طریقہ اپنایا ہے، اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی، حفظ وترتیل کے ساتھ ساتھ کتابت کا سلسلہ بھی رسول اللہ ﷺ کے

عہد مبارک سے چلتا آ رہا ہے اور حضور ﷺ نے قرآن کریم کی کتابت کے لئے کاتبین وحی کی با قاعدہ ایک جماعت تیار کر رکھی تھی، جو کہ اکابر صحابہ کرام پر مشتمل تھی ان میں حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت ابی بن کعب، اور حضرت زید بن ثابت جیسے لوگ شامل تھے۔''

کاتبین وحی کی یہ جماعت جس کے ارکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے با قاعدہ حکم کے تحت وحی کی کتابت کرتے تھے ان کے علاوہ کچھ صحابہ کرام ذاتی طور پر بھی قرآن حکیم کو لکھا کرتے تھے ان کو لکھنے کی جو بھی چیز میسر آ جاتی وہ اس پر قرآنی آیات لکھ لیا کرتے تھے، حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم نؤلف القرآن من الرقاع

ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور مختلف ٹکڑوں کی مدد سے قرآن کریم کو جمع کر رہے تھے۔''

حاصل بحث یہ کہ رسول ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی سارا قرآن کریم لکھا جا چکا تھا، کاتبین نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے جو لکھا تھا وہ سارا حضور اکرم ﷺ کے گھر میں محفوظ تھا، بعض صحابہ کرام ایسے بھی تھے جن کے پاس پورا قرآن کریم کتابت کے شکل میں موجود تھا ان میں حضرت علی، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود اور ابو زید کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

معوذتین کی قرآنیت اور مستشرقین کے اعتراضات

اکثر مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ قرآن کریم کی زبان اور اسلوب انسانی اسلوب سے ممتاز ہیں اور کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ قرآن کریم کی مثل ایک یا چند سورتیں بنا کر پیش کر سکے، وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ کرام بھی قرآن کریم کی زبان کو عربی ادب کی عام زبان سے ممتاز نہیں سمجھتے تھے، اپنے اس دعویٰ کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود معوذتین (سورہ الفلق اور سورہ الناس کو قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔

مستشرقین کو اس اعتراض کا موقعہ بعض کتب تفسیر اور کتب حدیث سے مل گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود معوذتین کو قرآن کریم کا حصہ نہیں سمجھتے تھے، وہ ان سورتوں کو قرآن سے کھرچ دیتے تھے، سیوطی الدر المنثور میں لکھتے ہیں۔

اخرج احمد اولبزار و الطبرانی و ابن مردوية من طرق صحيحة عن ابن عباس و ابن مسعود انه كان يحک المعوذتين من المصحف و يقول لا تخلطو القرآن بما ليس منه انهما ليستا من كتاب الله امر النبی صلى الله عليه و آله وسلم ان يتعوذبهما و كان ابن مسعود لا يقرى بهما

''احمد، بزاز، طبرانی اور ابن مردویہ نے صحیح طریقوں سے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود معوذتین کو مصحف مبارک سے محو کر دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے قرآن کریم کو ان چیزوں سے خلط ملط نہ کرو جو قرآن کا حصہ نہیں ہیں، یہ قرآن کا حصہ نہیں، رسول اللہ ﷺ نے تو محض یہ حکم دیا ہے کہ ان کے ذریعے پناہ مانگی جائے اور حضرت عبداللہ بن مسعود ان سورتوں کی قراءت نماز میں نہیں کرتے تھے۔''

حضرت ابن مسعود سے روایت صحیحہ سے یہ بات ثابت نہیں کہ آپ ان سورتوں کو قرآن کریم کا جز نہیں سمجھتے تھے، امام نووی شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

اجمع المسلمون علی ان المعوذتین و الفاتحه من القرآن و ان من جحد منها شیئا کفروما نقل عن ابن مسعود باطل لیس بصحیح

''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ معوذتین اور سورہ فاتحہ قرآن کا جزو ہیں اور جو ان میں سے کسی کی قرآنیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اس سلسلے میں جو باتیں حضرت ابن مسعود کی طرف منسوب کی جاتی ہیں وہ باطل ہیں، صحیح نہیں ہیں۔''

ذیل میں ہم چند احادیث طیبہ نقل کرتے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد اس بات میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ صحابہ کرام کو ان سورتوں کے قرآن کریم کا جز ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ تھا۔

اخرج ابن مردویه عن ام سلمة قالت قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من احب السور الی قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس

''ابن مردویہ نے حضرت ام سلمہ سے روایت کی، وہ فرماتی ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، میرے لئے محبوب ترین سورتیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔''

اخرج ابن مردویه عن معاذ ابن جبل قال کنت مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله وسلم فصلی اللّٰه الغداة فقری فیها بالمعوذتین ثم قال یامعاذ هل سمعت قلت نعم قال ما قری الناس بمثلهن

''ابن مردویہ نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کی ہے فرماتے ہیں میں سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھا آپ نے فجر کی نماز ادا فرمائی اور نماز میں آپ نے معوذتین کی تلاوت فرمائی، پھر فرمایا، یا معاذ کیا تم نے سنا؟ میں نے عرض کیا ہاں

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا لوگوں نے ان کی مثل کوئی چیز نہیں پڑھی۔

علامہ سید قطب اپنی تفسیر فی ظلال القرآن "میں لکھتے ہیں:

وَ؟انَ اب?نَ مَس ?عُودٍ لَا?ن?بِتُ ?مَافِ?مُص ?حَفِ ?ثُمَّ تَا بَ ?لِ ?رَ??ال?جَمَاعَةِ وَقَد ??ث?بَتَ ?مَا فِ?ال?مُص ?حَفِ''*(1+1)66

حضرت بن مسعودؓ ابتداء میں معوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے لیکن بعد میں آپ نے امت کی اجتماعی رائے کی طرف رجوع کیا اور ان دونوں سورتوں کو اپنے مصحف میں بھی درج کیا۔''

حضرت عبداللہ ابن مسعود معوذتین کے قرآنیت کے قائل تھے؟

یہاں یہ بھی قابل غور بات ہے کہ خود ابن مسعود سے اس مفہوم کی کئی احادیث مروی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ معوذتین کے قرآنیت کے قائل تھے مثلاً:

اخرج الطبرانی عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن ھاتین السورتین فقال قیل لی ، فقلت فقولوا کما قلت

''طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ان سورتوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے بارگاہ خداوندی سے نہیں کہنے کا حکم ملا سو میں کہتا ہوں لہٰذا تم بھی کہو۔"

اس طرح ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

اخرج الطبرانی فی الاوسط بسند حسن عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد انزل علی ایات لم ینزل علی مثلھن المعوذتین

طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن مسعود سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل آیات مجھ پر (پہلے) نازل نہیں ہوئیں اور وہ آیات معوذتین ہیں۔''

جب حضرت عبداللہ بن مسعود خود حضور ﷺ سے ایسی احادیث روایت کر رہے ہیں تو پھر اس شبہ کی گنجائش کیا ہے کہ وہ ان سورتوں کو قرآن کریم کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے قرآن کریم کی جو متواتر قراءتیں منقول ہیں، ان میں معوذتین شامل ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود پوری امت کی طرح معوذتین کو قرآن کریم کا جز قرار دیتے تھے اور جن روایتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان دو سورتوں کو قرآن کریم کے جز ہونے کے قائل نہ تھے وہ درست نہیں۔

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے قرآن کریم کی جو متواتر قراءتیں منقول ہیں ان میں معوذتین شامل ہیں قراءات عشرہ سے حضرت عاصم کی قرات حضرت ابوعبدالرحمان سلمی حضرت زر بن حبیش اور حضرت ابوعمر الشیبانی سے منقول ہے اور یہ تینوں حضرات اسے (معوذتین) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح حضرت حمزہ کی قرآت عالقمہ، اسود، ابن وھب مسروق، عاصم بن حمزہ اور حارث سے منقول ہے اور یہ تمام حضرات اسے (معوذتین) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ قراءات عشرہ میں سے کسائی، اور خلفؒ کی قراءتیں بھی بالآخر حضرت عبداللہ بن مسعود پر ختم ہوتی ہیں، کیونکہ کسائی حمزہؒ کے شاگرد ہیں اور خلفؒ ان کے شاگرد کے شاگرد ہیں اور اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ قراءات عشرہ کی ساری اسانید دنیا میں سب سے زیادہ قوی اور صحیح اسانید ہیں اور نسلاً بعد نسل تواتر سے نقل چلی آرہی ہیں اس لئے اگر کوئی خبر واحد ان متواتر قراتوں کے خلاف ہو تو وہ یقیناً واجب الرق ہے اور اسے قبول نہیں کیا سکتا۔

اسی بناء پر محقق علماء کی اکثریت نے ان روایتوں کو ضعیف اور موضوع یا کم از کم نا قابل قبول بتایا ہے، جو حضرت ابن مسعود کی طرف یہ بات منسوب کرتی ہیں، ان علماء میں شیخ الاسلام علامہ نوویؒ، علامہ ابن حزمؒ امام رازی قاضیؒ ابوبکر بن عربی، علامہ بحر العلومؒ شامل ہیں۔

یہ اعتراض کہ بعض علماء نے ابن مسعود کی معوذتین کی قرآنیت کی انکار والی روایت کے تمام راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ نورالدین الہیثمی نے تصریح کی ہے کہ ان روایتوں کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ پھر ان روایتوں کو غیر صحیح کیسے کہا جاسکتا ہے؟

اس اعتراض کا جواب

جو حضرات علم حدیث سے واقف ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ صرف راویوں کا ثقہ ہونا کسی روایت کے صحیح ہونے کیلئے کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں کوئی علت یا شذوذ نہ پائے جائے۔

صحیح حدیث کی تعریف

تمام محدثین نے ''حدیث صحیح کی تعریف میں یہ بات لکھی ہے کہ وہ روایت ہر قسم کی علت اور شذوذ سے خالی ہو، چنانچہ اگر کسی روایت میں کوئی علت یا شذوذ پایا جائے تو راویوں کے ثقہ ہونے کے باوجود اس کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

حافظ ابن الصلاحؒ اپنی مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''پس حدیث معلل وہ حدیث ہے جس میں کوئی علت معلوم ہوتی ہو جو اس حدیث کی صحت کو مجروح کرتی ہو اور یہ علت'' اس سند میں بھی واقع ہو جاتی ہے جس کے راوی ثقہ ہوتے ہیں، اور جس میں بظاہر صحت کی تمام شرائط موجود ہوتی ہیں، اور اس علت کا ادراک علم حدیث میں بصیرت رکھنے والوں کو مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، کبھی راوی کو منفرد دیکھ کر اور کبھی یہ دیکھ کر کہ وہ راوی کسی دوسرے راوی کی مخالفت کر رہا ہے اور اس کے ساتھ کبھی دوسرے قرآئن بھی مل جاتے ہیں۔''

اسی طرح حدیث کی ایک قسم شاذ ہے اس کے راوی بھی ثقہ ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں اس لئے ان کی حدیث قبول نہیں کی جاتی، لہذا جن روایتوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ وہ معوذتین کو قرآن کریم کا جزء نہیں مانتے تھے علامہ نودی اور ابن حزمؒ وغیرہ نے ان کو راویوں کے ثقہ ہونے کے باوجود مندرجہ ذیل تین وجوہ سے قابل قبول نہیں سمجھا۔

1- یہ روایتیں معلول ہیں اور ان کی سب سے بڑی علت یہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی ان قراءتوں کے خلاف ہیں جو ان سے بہ طریق تواتر منتقل ہیں۔

2- مسند احمد کی وہ روایت جس میں حضرت ابن مسعود کا یہ صریح قول نقل کیا گیا ہے **انهما ليستا من كتاب اللّٰه** (معوذتین اللہ تعالیٰ کی کتاب کا جز نہیں ہیں) صرف عبدالرحمان بن یزید نخعیؒ سے منقول ہے اور کسی نے صراحتہ ان کا یہ جملہ نقل نہیں کیا اور متواترات کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ جملہ یقیناً شاذ ہے اور محدثین کے اصول کے مطابق ''حدیث شاذ'' مقبول نہیں ہوتی۔

3- اگر بالفرض ان روایتوں کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی بہر حال یہ اخبار احاد ہیں اور اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جو خبر واحد متواترات اور قطعیات کے خلاف ہو وہ مقبول نہیں ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے جو قراءتیں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ان کی صحت قطعی ہے، لہذا ان کے مقابلے میں یہ اخبار احاد یقیناً واجب الرد ہیں۔

یہ اعتراض کہ اگر یہ روایتیں صحیح نہیں ہیں تو ان ثقہ راویوں نے ایسی بے اصل بات کیوں روایت کر دی؟

مولانا تقی عثمانی صاحب نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ:

ان روایتوں کی حقیقت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ معوذتین کو قرآن کا جز مانتے ہیں، لیکن کسی وجہ سے انہوں

نے اپنے مصحف میں ان کو نہیں لکھا، اس واقعہ کو روایت کرتے ہوئے کسی راوی کو وہم ہوا، اور اس نے اسے اس طرح روایت کر دیا، گویا وہ انہیں سرے سے جزءِ قرآن ہی نہ مانتے تھے حالانکہ حقیقت صرف اتنی تھی کہ وہ معوذتین کو جزءِ قرآن کریم ماننے کے باوجود انہوں نے اپنے مصحف میں ان کو نہیں لکھا تھا اور نہ لکھنے کی وجوہ بہت سی ہوسکتی ہیں، مثلاً معوذتین کو اس لئے نہیں لکھا کہ ان کے بھولنے کا کوئی ڈر نہ تھا کیونکہ یہ ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہیں۔

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ابن مسعود نے اپنے مصحف میں سورہ فاتحہ بھی نہیں لکھی تھی اور امام ابوبکر الانباریؒ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، اگر میں سورہ فاتحہ لکھتا تو اسے ہر سورۃ کے ساتھ لکھتا، امام ابوبکرؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں ہر سورۃ سے پہلے سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، اس لئے میں نے اسے نہ لکھ کر اختصار سے کام لیا اور مسلمانوں کے حافظے پر اعتماد کیا۔''

ان جوابات کے بعد مستشرقین کے اس اعتراض میں کوئی جان باقی نہیں رہتی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود معوذتین کو قرآن کریم کا جزء نہیں مانتے تھے۔

خود آزمائی

1- متن قرآن کریم سے کیا مراد ہے؟
2- متن قرآن کریم پر مستشرقین کے شبہات کے مآخذ کون کون سے ہیں۔
3- تورات اور انجیل میں تحریف کے شواہد قلم بند کیجئے۔
4- نسخ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان کیجئے۔
5- نسخ کی حکمت اور اصولوں پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
6- نسخ کی متفق فیہ شرائط بیان کیجئے۔
7- نسخ پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی و تنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔
8- کیا سابقہ شریعتوں میں بھی نسخ موجود رہا، مثالوں سے واضح کیجئے۔
9- اعجاز قرآن کریم پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
10- بعض قرآنی واقعات پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی و تنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔

حوالہ جات

1- سورۃ الفرقان/۵،۴

2- تفسیری حاشیہ شیخ الہند،ص ۴۶۷ ملخصا

3- المدثر:ص۲۴،۲۵

4- الحاقۃ/۴۱/۴۳:

5- النحل/۱۰۳

6- الاحقاف/۸

7- شمس الحق افغانی،علوم القرآن،ص۱۲۱ الاعلی ۶

8- تفصیل کیلئے دیکھئے،مفتی تقی عثمانی،علوم القرآن:ص۲۱۲ تا ۲۱

9- افغانی،علوم القرآن،ص۱۲۳ ملخصا

10- ابن ابی داؤد،کتاب المصاحف:ص۴۱

11- لبیب السعید،المصحف المرتل:ص۳۴۳

12- الدانی،المقنع،ص۱۱۹

13- قلقشندی:صبح الأعشی:۳/۱۵۰

14- غانم،رسم المصحف دراسۃ لغو؟ۃ،ص۴۵۱

15- See:Photo from microsoft encarta encyclopedia(CDVersion)

16- مختلف شہروں میں شاذ قراءات نقل کرنے والے افراد کے ناموں کی فہرست ابن ندیم نے ذکر کی" ہے۔دیکھئے الفہرست:۳۳۰ تا ۳۳

17- کہا جاتا ہے کہ ان محیصن کی روایات سنداور متن ہر دولحاظ سے منکراور غریب شمار ہوتی ہیں۔دیکھئے:الوافیبا لوفیات، ۳/۲۳۳،اسی طرح ابن الجزری نے ان کا میلان معتزلہ کی طرف ظاہر کیا ہے(غایۃ النھایۃ،۱/۱۶۷)

18- غغایۃ النھایۃ۱/۶۱۳

19- خطیب بغدادی،تاریخ،بغداد،۱/۱۲۸۰

20- الجمعہ/۹

21- الکہف:۹۷

22- القارعۃ/۵

23- یونس/۹۲

24- الانفال/۳۷

25- مزید تفصّل کیلئے ملاحظہ ہو: الفہرست لابن ندیم، ص ۴۸؛ لبیب السعید، المصحف المرتل، ص ۲۲۸/۲۲۷

26- المائدۃ/ ۱۱۸

27- یاقوت الحموی، معجم الادباء، ۱۸، ۱۷۸۳

28- اس مجلس میں مفتی ابوبکر ابہری، عمر بن محمد بن یوسف قاضی اور ابن مجاہد کے علاوہ کئی حضرات نے شرکت کی (قاضی عیاض، الشفاء، ۲/۲۶۵- معرفۃ القراء الکبار، ۱/۲۲۵

29- غایۃ النھایۃ، ۲/۵۲ تا ۵۶

30- مرجع سابق

31- النشر، ۱/۱۰۲

32- نفس المصدر: ۱/۱۲۳

33- معرفۃ القراء الکبار، ۱/۲۴۸

34- محمود الصغیر، القراءات الشاذہ وتوجیھا النحو، ص ۵۷

35- رافعی، اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ، ص ۴۷

36- معجم الادباء ۱۵۰/ ۸

37- نفس المصدر، ۱۵۴/ ۸

38- الذہبی، معرفۃ القراء الکبار، ۱/۲۴۷

39- الفہرست لابن ندیم، ۵۰، ۴۹

40- الشنقیطی محمد الامین بن محمد المختار اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن، ۲/۹۰، مطبعہ المدنی، ۱۹۶۷

41- رحمت اللہ کیرانوی مختصر کتاب اظھار الحق، ص ۱۹

42- EncyclopaediaBritanica,Vol.111,P.515.1961

43- ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات، بہاولپور، ص ۴

44- نفس المصور، ص ۵

45- نفس المصدر، ص ۵، ۶

46- ڈاکٹر اکرم چوہدری، قرآن مجید ایک مسلسل معجزہ، ص) اور کینٹل کالج میگزین، لاہور، جلد ۶۷،، 1 ۲۰۰۱، مزید تفصّل کے لیے ابن حزم کی الفصل ص ۱۱۷۔ طاء المطبعۃ الادبیۃ فی سوق الحصار، مصر، ۱۳۱۷ھ ملاحظہ ہو

47- القاموس المحیط، مادہ حرف''

48- جوہری، الصحاح، ۴/۱۳۴۲، تحقیق: احمد عبدالغفور عطار
49- زبیدی، تاج العروس ۶/۶۹
50- فرید وجدی دائرۃ المعارف القرآن العشرین، ۳/۴۱۲
51- النساء/ ۴۶
52- معجم الفاظ القرآن الکریم، ۱/۲۶۰
53- رازی، التفسیر الکبیر، ۱/۱۴۴
54- بقاعی، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، ۱/۴۸۶
55- ابن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم، ص، تحقیق: محمد الحامد الفقی، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، س۔ن
56- العسکری، التصحیف والتحریف، ص ۷۷
57- البقرۃ/ ۷۵
58- انشراح احمد، موقف القرآن الکریم من التوراۃ، ص ۲۴۳
59- محمد رشید رضا، تفسیر المنار، ۶/۲۸۳
60- موقف القرآن الکریم من التوراۃ، ص ۲۴۷
61- سپینوزہ، رسالۃ فی اللاھوت والسیاسۃ، ص ۲۶۶، ویل دیورانت، قصۃ الحضارۃ، ترجمہ محمد بدران، ۲/۳۸۵
62- ابن قیم الجوزیۃ، ھدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیھود والنصاری، ص ۱۰۶
63- لبیب السعید، المصحف المرتل، ص ۳۶۳
64- موقف القرآن الکریم من التوراۃ، ص ۶۴۹
65- رحمت اللہ کیرانوی م اظہار الحق، ۱، ۳۴۴/۳۴۵
66- نفس المصدر
67- نفس المصدر
68- محمد عبدالقادر الخلیل، المناظرۃ الکبریٰ، ص ۴۷۰
69- اظہار الحق، ۱/ ۳۷۵
70- نفس المصدر، ۶۵۳
71- تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: موقف القرآن الکریم من التوراۃ، ص ۳۱۱ تا ۳۲۶
72- اظہار الحق، ۱/ ۲۵۵
73- المناظرۃ الکبری، ص ۴۰، ۴۰۵

74- تفصیل کیلئے دیکھئے: نفس المصدر، ص ۴۰۶ تا ۴۰۸

75- اس ضمن میں ڈاکٹر محمد عبداللہ کا مقالہ ''مطالعہ بائبل اور مسلمان" ملاحظہ ہو القلم جلد ۶ شمار ۶؟، دسمبر ۲۰۰۲ء، ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور

76- المسعودی ابوالحسن علی، مروج الذہب، ص ۲۹۷، قاہرہ، ۱۳۴۶ھ

77- اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۲/ ۳۱۷، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۶ء

78- ایضا: ۱/ ۶۵۳

79- الشہرستانی، کتاب الملل والنحل، ۲/ ۳۶، دارالسرور بیرت، ۱۹۴۸ء۔۔۔۔۔ نیز بائبل کی روایتی الش حیثیت کے متعلق لکھا ہے کہ ان کتب میں تبدیلیاں واقع ہوئیں ہیں اور یہ کہ دونوں کتب حضرت موسیٰ اور عیسی سے تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہیں، مزید تفصّل کے لئے ابن تیمیہ کی کتاب الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح: ۱/ ۵۶۲، مطبوعہ جدہ ملاحظہ ہو

81- حم السجدۃ (۴۱): ۲۴

82- سورۃ الحجر: 9

83- الاستشراق والخلفیۃ للصراع الحضاری، ص 110

47- Islam, Muhammad and His Religion Page:47

87- ایچ اے آرگب ''اسلام'' دی انسائیکلوپیڈیا آف لونگ فیتھ، ایڈیٹ بائی آرسی: رائز (ہاچنسن گروپ ساؤتھ افریقہ ص 168

88- سورۃ طہ: 114

89- **الشلبی اصول الفقه الاسلامی**، ج 1، ص 93، دارالفکر، بیروت

90- سورۃ القیامۃ: 16-19

91- **الشلبی، اصول الفقه الاسلامی**، ج 1، ص 93

92- **مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن**، بیروت، ص 119

93- ایضاً

94- Watt, W. Montgomery: Bell's, Introduction to the Quran Page:4

95- **فتح الباری**، ج 9، ص 14، **باب القراء من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم**

96- **مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن**، بیروت، ص 121

97- السیوطی ''**الدر المنثور فی التفسیر بالماثور**'' ج 6، 416

98- الاستشراق والخلفية الفكرية للصراع الحضاری، ص113
99- السیوطی، الدرالمنثور، ج6، ص216
100- ایضاً
101- سید قطب "فی ظلال القرآن ج8، ص708، دارالحیاء التراث العربی بیروت
102- السیوطی، الدرالمنثور، ج6، ص416
103- ایضاً
104- النشر فی القراءات العشر لابن الجزری، ج1، ص156
105- فیض الباری، ج1، ص262
106- الاتقان للسیوطی، ج2، ص81، المحلی لابن حزم، ج1، ص13، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت از بحر العلوم، ج2، ص12
107- مقدمہ فتح الملہم، ج1، ص54، مجمع الزوائد للہشمی، ج7، ص149
108- مجمع الزوائد للہشمی، ج7، ص149
109- علوم القرآن، ص226
110- تفسیر القرطبی، ج1، 114, 115
111- The Koran, Page: 52
112- محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین، ص18
113- مولانا تقی عثمانی، علوم القرآن، ص159
114- الدکتور محمد مصطفی الشلبی، ''اصول الفقه الاسلامی'' ج1، ص553
115- سورہ الاحزاب:53
116- الشلبی، اصول الفقه الاسلامی، ج1، ص554
117- ایضاً
118- بائبل کتاب پیدائش 29, 30
119- عہد نامہ قدیم کتاب الاحبار، باب:20، آیت:17
120- بائبل کتاب پیدائش، باب:20، آیت:12
121- علامہ شیخ رحمت اللہ کیرانوالی، ''اظہار الحق'' بیروت، ج1، ص515
122- بائبل کتاب پیدائش، باب:9، آیت:3

123- بائبل کتاب احبار، باب:7، آیت:18
124- کتاب پیدائش، باب:19
125- انجیل متی:15 ,19
126- کتاب پیدائش:19
127- کتاب الاحبار، باب:18، آیت:18
128- انجیل متی، باب:23، آیت
129- انجیل مرقس، باب:16، آیت:15
130- ضیاء النبی، ج6، ص442
131- انجیل یوحنا، باب:16، آیت12,13
132- ضیاء النبی، ج6، ص444
133- سورۃ البقرہ:23
134- محمد رشید رضا، الوحی المحمد ی، دار لمنار، مصر، 108
135- سورۃ حم السجدہ: 13
136- محمد رشید رضا، الوحی المحمد ی، دار لمنار، مصر، 138
137- ایضاً
138- The Koran, page: 47
139- سورۃ الحجر:50 ,49
140- سورۃ الحجر:51
141- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج13، ص483، مقالہ ''قرآن'' 1950ء
142- ایضاً مقالہ ''مریم'' ج14، ص999
143- مولانا تقی عثمانی، علوم القرآن، ص288
144- ڈکشنری آف دی بائبل از میٹنگز، ج3، ص288
145- برٹانیکا، ج13، ص483، مقال؟ ''قرآن''
146- آنتر، ج1، ص3، (ناکش ورژن مطبوعہ میکملن 1963ء)
147- آستر، ج3، ص8 اور 6، 7، 10 اور 2:8
148- مولانا تقی عثمانی، علوم القرآن، ص290

یونٹ نمبر 5

حدیث اور مستشرقین

ترتیب وتدوین
ڈاکٹر ثناء اللہ حسین
شعبہ قرآن وتفسیر

یونٹ کا تعارف

حدیث اور سیرت النبی ملی ہم پر لکھنے کا تسلسل آغاز اسلام سے عصر حاضر تک کسی دور میں منقطع نہیں ہوا ہے۔ جہاں حُب رسول ﷺ کے تقاضا کے تحت ابنائے اسلام کی عقیدت مندانہ تحریریں سیرت نبوی ﷺ کے زریں باب کی وسعت کا سبب بن رہی ہیں وہیں غیر مسلم اہل قلم کے نام بھی اس صف میں نظر آتے ہیں۔ اس یونٹ میں مختلف ادوار میں مستشرقین کا حدیث اور سیرت پر جو کام ہے اس کا جائزہ لیا گیا ہے اور آخر میں مستشرقین کی کتب سیرت کی ایک فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے پڑھنے کے بعد اب اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- حدیث اور سیر نگاری پر مستشرقین کام کو جان سکیں۔

2- ان کے کام کا ارتقائی جائزہ لے سکیں۔

3- مختلف ادوار میں حدیث اور سیرت پر مستشرقین کے کام کو جان سکیں۔

حدیث اور مستشرقین

تاریخ کے اوراق اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ مسلم امہ کے علماء اور فضلاء نے ہر زمانے میں سیرت سرور کائنات ﷺ پر لکھ کر سعادت دارین حاصل کرنے کی سعی کی ہے۔ ہر دور میں عصری راہنمائی کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے ملت اسلامیہ کے علماء سیرت سرور دو عالم ﷺ پر قلم اٹھاتے رہے ہیں۔ چنانچہ ادب اسلامی کی با قاعدہ قسم ''حدیث اور سیرت النبی ﷺ پر لکھنے کا تسلسل آغاز اسلام سے عصر حاضر تک کسی دور میں منقطع نہیں ہوا ہے۔ جہاں حب رسول ﷺ کے تقاضا کے تحت ابنائے اسلام کی عقیدت مندانہ تحریریں سیرت نبوی کے زریں باب کی وسعت کا سبب بن رہی ہیں وہیں غیر مسلم اہل قلم کے نام بھی اس صف میں نظر آتے ہیں۔ غیر مسلم سیرت نگاروں کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1) مغربی علماء

2) غیر مغربی علماء (عرب، ہند، جاپان وغیرہ کے غیر مسلم)

ان میں سے اول الذکر گروہ کو عموماً مستشرقین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ خواہ ان کے مقاصد کچھ بھی ہوں مگر اس میں شامل افراد کی ایک طویل فہرست ہے جو سرور عالم صلی ال نیم کی سیرت طیبہ پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ ان میں ولیم میور، مارگولیتھ، لامنس، اسپرنگر اور ولیم منگمری واٹ زیادہ معروف ہیں۔ سیرت رسول ﷺ پر مستشرقین کی تحریروں کے تعارف و جائزہ سے قبل استشراق کے متعلق اختصار کے ساتھ جاننا ضروری ہے تاکہ مستشرقین کی ذہنیت، مقاصد اور تحریروں کے پس منظر کا صحیح ادراک ہو سکے۔

استشراق کا لغوی مفہوم

یہ لفظ جدید ہے۔ اس لئے قدیم لغات میں نہیں پایا جاتا۔ لسان العرب کا فاضل مصنف تحریر کرتا ہے:

''(شرق) یقال شرقت الشّمس اذا طلعت، اشرقت اضاءت... والشرق وکل ما طلع من المشرق فقد شرق ویستعمل فی الشّمس من الارض وروی ثعلب عن ابن العربی قال: الشرق الضوء الشرق الشّمس''

(شرق کہا جاتا ہے۔ شرقت الشّمس، شرقت الشّمس کہا جاتا ہے جب سورج طلوع ہو جائے اور روشن ہو جائے اشرقت: جب سورج روشنی پھیلا دے اور مشرق اور ہر وہ چیز جو مشرق سے طلوع ہو اُس پر شرق کے لفظ کا استعمال کرتے ہیں اور ثعلب نے ابن العربی سے روایت کیا ہے الشرق کا معنی روشنی بھی ہے اور سورج بھی۔)

استشراق اصطلاحی مفہوم

استشراق کے معنی مشرقی علوم میں مہارت حاصل کرنا اور مستشرق کے معنی مشرقی علوم کا ماہر اور مشرقی آداب سے آگاہ ہونا ہے۔

وہ شخص جو مشرقی زبانوں، علوم وفنون، آداب وثقافت اور تہذیب وتمدن وغیرہ پر عبور رکھتا ہے اور بقول مولوی عبد الحق جو ماہر مشرقیات ہو وہ مستشرق کہلاتا ہے۔

میں انتہائی سرعت سے ترقی ہوئی۔ مستشرقین کا ایک مستقل رویہ اور سلوک (Discipline) چلا گیا اور بحیثیت مجموعی ان کی تمام سرگرمیاں بہت منظّم طریقے سے ہر سطح پر اپنے اثرات کو ظاہر کرتی رہیں۔ اسی عہد کی آخری دہائی میں عالمی جنگ اور بین الاقوامی سیاست اور متعدد واقعات وحوادث نے ایک مرتبہ پھر سیاسی سماجی اور معاشی وثقافتی حالات کا نقشہ منقلب کر ڈالا۔ اس دور کے مشہور مستشرق درج ذیل ہیں:

1- ولیم رائٹ (W Wright) 1830ء تا 1889ء
2- فلاشیر (H.C. Fleischer) 1801ء تا 1888ء
3- سلیم نوفل (Salim Nofel) 1828ء تا 1902ء
4- سر ولیم میور (Sir William Muir) 1830ء تا 1889ء
5- گولڈزیہر (Y. Goldzhier) 1850ء تا 1921ء
6- ولہازن (J. Wellhausen) 1844ء تا 1918ء
7- واشنگٹن ارونگ (Washington Irving) 1783ء تا 1859ء
8- نکلسن (R.A. Nicholson) 1868ء تا 1945ء
9- نولدیکے (Th. Noldeke) 1836ء تا 1930ء
10- ہرگرونج (Snouck Hergrenje) 1857ء تا 1936ء

11- ونسنک (A.J. Wensink) 1881ء تا 1939ء

12- پروفیسر زخاؤ (E Sahau) 1845ء تا 1930ء

13- جوزف ہوروز (J. Horovitz) 1874ء تا 1931ء

14- کارل بروکلمان (C. Brockelmman) 1868ء تا 1956ء

15- ایچ جی ویلیز (Wells Herbert George) 1886ء تا 1946ء

16- گب (Gibb Sir Hamilton) 1949ء

17- برناڈلیوس (Levis Bernard)

اسباب ومحرکات

تحریک استشراق کا علمی وتاریخی جائزہ لینے سے درج ذیل اسباب ومحرکات سامنے آتے ہیں:

1- مستشرقین کے مخاصمانہ اور معاندانہ رویے کی ایک وجہ مذاہب کا نظریاتی وفکری اختلاف ہے۔ اسلام توحید کا علمبردار ہے جبکہ دوسرے مذاہب میں شرک کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔

2- فکری ونظریاتی سبب کے علاوہ دوسری وجہ تاریخی ہے۔ اسلام مختصر مدت میں تیزی اور سرعت کے ساتھ (نصاری کی سیاسی طاقت کو مغلوب کرتے ہوئے) عرب کی سرزمین سے نکل کر دور دراز حصوں تک پھیل گیا۔ (یہ سیاسی ہزیمت ان کو علمی محاذ آرائی پر مسلسل ابھارتی رہی)۔

3- صلیبی جنگیں تحریک استشراق کا ایک ایسا سبب ہیں جن سے انکار ممکن نہیں۔

4- تحریک استشراق کا ایک سبب مسلمانوں کا اخلاقی زوال اور مسلم سلطنتوں کا سقوط وانحطاط ہے۔

5- مغرب کی علمی بیداری کو بھی تحریک استشراق کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے۔

6- تجارتی مفادات بھی تحریک استشراق کا ایک سبب ہیں۔

مستشرقین کی کتب سیرت کی فہرست

قارئین کی معلومات اور استفادہ کے لئے ذیل میں مستشرقین کی کتب سیرت کی ایک فہرست دی جارہی ہے جسے ڈاکٹر نثار احمد نے بڑی محنت سے مرتب کی تھی:

1-	Mohammad and Mohammadanism, Chicago, 1990	آدم(Adams, Isaac)
2-	The life and death of Muhammad, the author of the Turkish Religion Lancelat (Londaon. 1779)	ایڈیسن (Addison)
3-	Mohammed. (Philladelphia 1901)	ایڈلر(Addler, Felix. M.)
4-	Mohammadals Religions stifter Ahren, Karl. (Leipzig. 1935)	اہرن (Ahren, Karl.)
5-	The Land of the Messiah, Mohomet, and the Pope (London. 1854)	ایٹن (Aiton, John)
6-	The Preaching of Islam (London. 1896)	آرنلڈ(Arnold. T.W.)
7-	Islm, Its history, charachter and relation to christianity (London 1874)	آرنلڈ(Arnold, J.M.)
8-)	Islam, Its history, charachter and relation to christianity (London 1874)	ارونگ(Irving)
9-	History of the Saracens (London. 1847)	اوکلے(Ockley, Simon)
10-	Confutacion del Alovany Secta Mahammetana (Gronada 1555)	اوکسی(Oksegon, L.Le)
11-	Mohammad de Profet der Arabieren (Amesterdam 1898)	ایج مین (Eigeman, Jakob)
12-	Deseffects de tareligion de Mohammed	اوسز(Oelsner, C.E.)
13-	Islam under the Arabs (London. 1876)	اوسبم(Osbon, R.D.)
14-	Vizlat Muhammad Kuranjanak Ethik ajabiz. Budapest. 1902	اوزرن(Osztern. S)
15-	An Account of the rise and progress of Mahometanism	اسٹیب(Stubbe. H)
16-	History of the Ottomon Empire, Preceded by the life of Mohammad (Hurst. 1826.35)	افام(Upham, Edward)
17-	(i) تاریخ العرب و آدابھم (لندن ۱۸۹۰ء) (ii) ترجمہ روضۃ الصفا فی حیاۃ محمد المصطفی (لندن ۱۸۹۳ء) بمعاونۃ ریہاستسک	ارتھوٹ (Arbuthnot, F.F)
18-	Life of Mohammad (Allahabad. 1851) (Das Lebas and die Lehredes Mohammad. 1851 - 1861)	اسپرینگر(Sprenger, A.)
19-	Muhammad and Muhammadenism London. 1874 (Reprint-Lahore)	اسمتھ(Smith)

		باسورتھ(Bosworth)
20-	Mahmoment at les Arabs (Rome. 1878)	بخیلات (Bachelat, Theodore)
21-	Mohammad and Islam. A comparison with orthodox christianity (New York 1911)	بیکن(Bacon. A.S)
22-	Mohammad und de Seinen (Leipzig 1907)	بیکن (Beckendarf) ڈارف(H.C)
23-	Talks on Mohammed and his followers (London 1932)	بارٹن(Barton, Theodore)
24-	The dictionary historical and critical of Mr. Peter Bayle (Ed) (London. 1734 - 1738)	بائیل(Bayle, Pierre)
25-	Mohammedis Impos turae (London 1615)	بیڈویل(Bedwell. W)
26-	Mohammad, His Biography and the beginning of the religion of Islam (Warsaw. 1914)	برن فیلڈ (Bernfeld, Simon)
27-	The life and teachings of Muhammad (Adyar 1932)	بیسان(Besant, Annie)
28-	Le Problems de Mahomet Paris, 1952.	بلاشیئر(Blachare, Regis)
29-	Mohammad of Koramen (Hamar) 1904.	بلام (Blom. P)
30-	Muhammad Islam Store Profet. (Kristiannica. 1911)	بلائٹ (Blytt. Eva.)
31-	Life of Mohammad (Bombay 1851)	بووین (Bowen, George)
32-)	Muhammad Skuespiel. the akter. (Ohenhaven 1895)	برانڈے(Brandes. C.E.C)
33-	The Messenger (the life of Mohammad) (London 1946)	بوڈلے (Bodley, R.V.C)
34-	i. Historedes Arabes, aved. la vie de Mahoment (Amesterdam 1731) ii. Vie de Mahomet. 1730	بولین ولیرز (Boulain Villiers H.C)
35-	Veber Muhammed (Frankfurt 1791)	بری گنی (Brequigny. H.D)
36-	Budha, Muhammad, Jesus (London, 1938)	بریم (Briem. O.E.)
37-	History of the Islamic People (New York. 1947) Eng. Tr.	بروکلمان (Brockelmann C.)

38-	Islam A short Study	بروکس (Brooks, Archihald)
39-	The way f the Prophet: An introduction to Islam (London. 1962)	براؤن(Brown, D.A)
40-	The Era of Mahoment (London 1856)	براؤن(Brown, G.L.)
41-	The Begger or the soldier Gautame or Mahomet. (London 1903)	بکل(Buckle, Henry.)
42-	Des Leban Muhammeds (Leipzig 1930)	بوہل(Buhl, F.P.W)
43-	Founders of Great Religions: Being personal sketches of the famous leaders. (New York 1931)	برائوز(Burrown, Miller)
44-	The life of Mohammed: Founder of the Religion of Islam and the Empire of the saracens (New York 1830)	بُش(Bush, George)
45-	قصیدہ البردہ، بوصیری مع سیرت مصنف ، نقد و شرح ۱۸۹۴ء	باسے(Basset, Rene)
46-	Pilgrimage to Mecca and Medina (1856)	برٹن(Burton)
47-	Mohammed under Koran (Stuttgart. 1951)	پونی(Ponet, Rudi)
48-	The Holy Sworel the story of Islam from Muhan to the present. (London 1961)	پائنی(Payne, P.S.R)
49-	Contra Lospartalista. Mahometanos (Rome. 1905-06)	پیڈیو(Pedio, San Paswal)
50-	Uber die Bluctrache beiden Voreslamisschen Arabern und Mahomeds. (Leipzig 1899)	پروخش(Prucksch, otto.)
51-	History of Mohametanism and its sects. (London 1834)	ٹیلر(Taylor W.C.)
52-	Sances of the Qeien, (London 1905)	ٹنسڈال(Tinsdall, W. st.C)
53-	Muhammad the Great Arabian (Houston 1912)	ٹاؤن سینڈ(Townsend.)
54-	A study of History (London 1954-61)	ٹائن بی(Toynbee A.J)
55-	Muhammad (Leipzig 1907)	ٹرمپے(Trampe. E.Von)
56-	Studies in Biography (London 1865)	ٹروٹر(Trotter, H.J)
57-	Historie de la vie de Mahomet, Legislative de L Arabic (Paris 1776-79)	ٹرپن(Turpin, F.R)

58-	Muhammed and the conquests of Islam (New York 1968)	جبریلی (Gabrieli, Francesco)
59-	Vie de Mahomet (Amesterdam 1748)	جیگنیئر (Gagnier, J.)
60-	Mohammed (Paris 1838)	جینوے (Genevay A.)
61-	Mohammadein Characrbild. (Berlin. 1878)	جیورگن (Georgens, E.P.)
62-	Islam Mohammed and his religion (New York 1958)	جیفرے (Jaffery, Arthur)
63-	Muhammad and his power (New York 1901)	جانسٹن (Johnston, P.Lacy de)
64-	سیرۃ ابن ہشام مع متن وترجمہ لاطینی، لیڈن ۱۸۸۱ء بمعاونت دی خویہ	جونگ (Jong. P.de)
65-	La vie de Mahmet, (Paris 1962)	چیورغیور (Cheorghue. C.V.)
66-	Mahomet les Khalifes (Paris 1912)	چگاوٹ (Chagavat, Michel.S)
67-	La vie de Mahomet, (Paris 1929)	ورمنگھم (Dermenghem.E)
68-	Maometton. 1931 سیرۃ الرسول (فلورنس ۱۹۲۹ء)	دوکات (Ducati, Bruno)
69-	Maishaya Muhammad (London 1909)	ڈالے (Dale Codetrey.)
70-	Mohammad (New York 1926) Dibble, R.F	ڈبلے (Dibble. R.F)
71-	Apology for Mohammad and the Quran. (London. 1869). Reprint (Lahore. 1975)	ڈیون پورٹ (Davenport. John.)
72-	The Alcoran of Mahoment (London 1649)	ڈوریر (Duryer, Andre)
73-	Mahomet, Founder of Islam (London 1915)	ڈریکاٹ (Draycott. G.M)
74-	Mahomet dauson lemps (Geneva 1908)	ڈوکاسے (Ducasse Raymond)
75-	Vie de Mohammed (Paris 1837	ڈیور جرس (Desvergers. N.)

76-	Spanish Islam (1863). Het. Islaminne (Kruseman. 1863)	ڈوزی(Dozy. R.P.A)
77-	The life and death of Mahomet (London 1637)	ریلے(Raleigh, Sir.W)
78-	Vita di Maometto (Milano 1922)	رام پوڈی(Ram Pelde)
79-	Mohammad unddieseninen (Leipzig. 1907)	ریکینڈر(Reckender, H.)
80-	Reflections on Mohammedenism and the conduct of Mohammed (London 1712)	ریلینڈ(Reeland. A)
81-	Mohammad und die welt des Islam (Leipzig. 1755)	ریم(Rehm. H.S)
82-	Notice Sur Mahomet (Paris. 1860)	رینو(Reinaud. J.J)
83-	De religione Mohammedica Libra due (utruht 1704)	ریلان(Reland. H.)
84-	Mahomet et ler origines de L Islamism (Paris 1880)	رینان(Renan, Ernest.)
85-	L. Islam et son prophet. (Lausanne 1870)	رنک(Rink, F.Th.)
86-	Hayyey Muhammad (Mizz. 1932)	ریولین(Rivlin, Josef.J)
87-	i. L Islam: Mahomet et les origins de L' Islam... (Paris 1957) ii. Mahomet. (Paris. 1961)	روڈنسن(Rodinson. M.)
88-	Life of Mahomet (London 1833)	روبک(Robuck J.A)
89-	Mohammed (Newyork 1907)	رومرو(Romro, Jacob)
90-	Voici le vraj Mohammed et la faus Coran. (Paris 1960)	زکریا(Zakarias, Henna)
91-	Le Gedenze religose de Maometto (Rome 1922)	سیکو(Sacco G.)
92-	The Koran or Al-Coran of Mohammad (London 1734)	سیل(Sale, George.)
93-	Morale de mahomet (Paris. 1784)	سوارے (Sawary Claude E.)
94-	The life of Mohammad (London. 1913)	سیل(Sell, Edward.)
95-	Quosuccessu Davidiros. Hymanas Unitatussit Muhammad (Upsaluse. 1886)	سوان(Svan Borg A.)
96-	A History of Medieval Islam (London. 1965)	سونڈرز(Saunders, J.J)

97-	Muhammadtestics Veritatis contraseipsum (Leipzig. 1718)	شروڈر(Schroeder. M.G)
98-	Mohammad: The Man and his faith (Tr.) (London 1956)	طور اینڈرے(Tor. Andrae)
99-	Mahomet: La Science chezes Arabs. (Paris. 1866)	فیورٹ(Favrot. Alexis)
100-	Mahometanism unveiled (London 1829)	فارسٹر(Forster Charles)
101-	Mohammad a Pegebbi Zsidosag Megitelescben. (Budapest. 1934)	فرائڈ(Fried, Dezro)
102-	(i) Annali dell s islam (hepoli 1905-26) (ii) Maometto profeta D'Arabia (Itlina, 1910)	فوربنگ(Forebing. J.C)
103-	(i) Annali de s islam (hepoli 1905-26) (ii) Maometto profeta d'Arabia (Italina 1910)	کیتانی(Caetani, leone)
104-	The hero as prophet Mahomet. (Newyork 1902)	کارلائل (Carlyle, Thomas)
105-	Comte dp.l.islam. impressions et.etudes (Paris 1912)	کاستری (Castries Henridelac)
106-	Leban Muhammad, sdes stifters der muhammadnisom religion (Humbrug 1814)	کلیمن(Clemens, J.F.G)
107-	Muhammed's religionaus deen Koran (Atona 1908)	کلاڈیس(Vludius, H.H)
108-	Maometto egli Ebrei (Milano 1925)	کورینالڈی (Corinaldi. Guide)
109-	Anacdotes of Hazrat Mohammad (London 1939)	کریمی(Karimi R.W)
110-	Muhammad, Hans Lefnad beratted (Stockholm. 1908)	کاسٹ مین(Kastman, Car.)
111-	Mohammad and Mohammedanism (London 1889)	کوئیل(Koelle S.W)
112-	Mohammad der prophet (Hamburg 1851)	کروپن(Kroppen. P.)
113-	Essai sur L'Historire des Arabes (1847)	کاسن ڈی پرسیوال (Caussin de Perceval A .P)
114-	Risalah Ed. Tien, (London 1880) The Apology of al-kindi (London 1887) by Muir.	الکندی، عبدالمسیح بن اسحٰق (Al-Kindi.)

115-	Le Doctorine et les Deviors de La Religion Musulmane (Paris 1826)	گارساں دی تاسی (Garcin De Tussy.)
116-	Mahomet. (Paris 1957)	گاڈفرے ڈی ممبائن (Gaudefroy Demombynes)
117-	Mohammedanism and Historical survey. (London 1953)	گب (Gibb. H.A.R)
118-	Life of Mahomet (New York 1879)	گبن (Gibbon, Edward.)
119-	Mohammed & Islam (Tr yale 1917)	گولڈزیہر (Goldziher, Lgnao)
120-	The Saracens (London 1887)	گلمین (Gilman, Arthur)
121-	Mahomet. at son Denure. (Paris 1887)	گولڈ (Gold I.L)
122-	The life of Mahomet, founder of the religion of Islam and the empire of the Saracens (London 1840)	گرین (Green Samuel)
123-	Mohamad Des Leban Nachden Quellen (Mimster 1892-95)	گریم (Grimme Hubert.)
124-	Muhammad (London 1983)	لنگز (Lings, Martin)
125-	Vie de Mahomet dapres la tradition. (Paris 1897-98)	لیمیریس (Lamairesse EFD.G)
126-	(i) Mahomet in les grand Bommes de orient (Paris 1889) (ii) Histore de la Turquite (Paris 1854)	لا مارٹن (Lamartine, A.M.)
127-	Muhammadanism (woking 1889) Reprint (Lahore 1893)	لیٹنر (Leitner G.W.)
128-	Vie de Mahomet (Paris 1939)	لیروگ (Lerougue R.)
129-	Moise Jesus et Mahomet on les Trios grand (Paris 1887)	لیوی (Levy, Simon)
130-	The Arabian Prophet, a life of Mohammad from Chinese and Arabic Sources (Shanghai. 1921)	لیو چی فی (Lew, Che, Fi)
131-	Islam, Her moral and spiritual value (London 1927)	لیونارڈ (Leonard, Arthur G.)
132-	The speeches and table talks of the Prophet Mohammad (London 1882)	لین پول

		(Lane Pool Stainley)
133-	اخلاص محمد ﷺ (۱۹۱۱ء) فاطمہ بنتِ محمد ﷺ (روم ۱۹۱۲ء) عہد الاسلام (روم ۱۹۱۴ء)	لامنس(Lammens P.H)
134-	Muhammai mais hayake, Pamoje na haboariza waslium na Maturuki (London 1888). Tngt. T London 1896	میڈن(Madan A.C.)
135-	(i) Allahe ilsue prefeta parma (Estere 1922) (ii) Mahomet ne imposter (London 1920)	مگنامی(Magnami L.)
136-	La vita di Maometto (Milano 1888)	مینفریدی(Manfredi vit.)
137-	Mohammad and the rise of Islam (Newyork 1905)	مارگولیتھ (Margolioth. D.S)
138-	Mahomometiv ita rerunque gestarm synopsis (Roma 1691)	مراکی(Maracci, Loius)
139-	Historia del falsay perverso profete Mahoma (Madrid 1781)	مارٹن(Martin M.J.)
140-	The life and the religion of Mohamad and the prophet of Arabia (London 1912)	میناز یس(Menezes, J.L.)
141-	Maometto eil paradise (Milano 1946)	مسارا(Messara, Pina)
142-	A History of Muhammedanism (London 1817)	مِل(Mills, Charles)
143-	Memories of the life of Mahomet (London 1727)	مِل مین(Millman, H.H)
144-	Mahoma su vida (Madrid. 1727)	مونٹیرو (Montero y vidal J)
145-	False divinites. On Moses christ and Mahomet and other religions deceptives (London 1870)	موسس (Moses, the Lawgiver)
146-	History of religions, Mudaism, christianity, Mohammedanism (New York 1929)	مور(Moore G.F.)
147-	The life of Mahomet from original sources (London 1977)	میور(Miur, Sir William)
148-	Spiritual heroes, a study of some of the world's prophets (New York 1959)	موزے(Muzzay, D.S)

149-	Vita di Maometto (Rome 1946)	ناتھن (Nathene, C.A)
150-	A literary history off the Arabs (New York 1907)	نکلسن (Nicholson R.A)
151-	Das Heben Muhammed's nach der Quellen popular darquistett. (Hanover 1863)	نولدیکے (Noldeke, Theodor)
152-	An outline of Islam (London 1934)	نارتھ (Norlth C.E.)
153-	(i) Muhammad at Mecca (1953) (ii) Muhammad at Medina (1956) (iii) Muhammad Prophet and statesman (London 1961)	واٹ (Watt. W.M)
154-	Mohammad de Prophet sein leban and scine lechre (Stuttgart 1843)	ویل (Weil, Gustay.)
155-	Fra Missionen Blanat Muhammedaners (Denmark 1909)	ویلے جس (Wellejus, H.)
156-	Half hours with Muhammad: Being a popular Account of the prophet of Arabia and of His More immediate followers together with a short synopsis of the religion he founded (London)	والسٹن (Wollaston Sir. A.N)
157-	Muhammad und sein werk (Stuttgard, 1923)	ویاز (Wueaz, Friechich)
158-	تاریخ مکۃ المکرمۃ، سیرۃ ابن ہشام مع تعلیقات، اراضی مدینہ منورہ، تاریخ اشراف مکہ وغیرہ	وسٹنفیلڈ (Wusten feld. F.)
159-	L'Histore Mahometane (Paris 1657)	ویٹیئر (Vattier, Pierre.)
160-	(i) Mohammad Messener d'Allah (Philip 1657) (ii) Mohammad (A Bengali Account of the life of Muhammad) Calcutta 1892.	ویلارڈ (Vieillard, Rene)
161-	Religio Turcica, Mahometisvita (Succorum 1659)	والش (Wallich J.U)
162-	Das Bilal Muhammeds in wandel der Zeiten (Berlin 1916)	ہوس (Hoas Hans)
163-	Mohammad elete estana (Dudapest 1878)	ہٹالا (Hatala, Peter)
164-	The three great prophets of the world (woking 1923)	ہیڈلے (Headley Rowland G.)
165-	An apology for the life and character of celebrated prophet of Arabia called Mohammad or the	ہگنز (Higgins, Godfray)

خودآزمائی

1- مستشرقین کے سیرت نگاری پر کام کو بیان کیجئے۔

2- مستشرقین کے کام کا ارتقائی جائزہ قلم بند لیجئے۔

3- مستشرقین کی اقسام پر نوٹ قلم بند کیجئے۔

4- مختلف ادوار میں مستشرقین کی حدیث اور سیرت نگاری کے کام پر مقالہ تحریر کیجئے۔

5- مستشرقین کی سیرت پر لکھی گئی تالیفات کی ایک فہرست مرتب کیجئے۔

حوالہ جات

یونٹ کا زیادہ حصہ، ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر کی کتاب، اُسوہ کامل سے لیا گیا ہے۔

1- ابن منظور، لسان اعرب دار صادر، بیروت) 65/7

2- Hans Wher, Dictionary o fModern written Arabic (Ed. J. M Cowan, New York 1961).

3- عبدالحق، سٹینڈرڈ اردو ڈکشنری (انجمن اردو پریس، دکن، 1937ء، ص796

4- عمر فروخ الاستشراق، **ماله وما علیه، الاستشراق والمستشرقون (عدد خاص، مجله المنهل، عدد** 471)(اپریل/مئی 1989ء)، ص15

5- The Oxford Dictionary of English,The Biologolical Society, VII,P. 200

6- الجہنی، مانع بن حماد، **الموسوعة الموسوعةفی الادیان والمذاهب المعاصرة (الندوة العالمیة للشباب الاسلامی الریاض، 1989ء) ص33**

7- الجبری، عبدالمتعال، محمد، **الاستشراق، وجه للاستعمار الفکری مکتبه وهبة، قاهره)** ،ص13

8- انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا(Villiam Penton Publisher, 1961)، 605/12 تا609

9- انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا، 209-205/12

10- اظہر، ظہور احمد، صلیبی جنگیں اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)، ص:219

11- العقیقی، **الاسلام و المستشرقون**، (ادارہ المعارف، مصر، طبع ثالث، 1964ء) 1/48-59

12- نقوش، رسول نمبر ادارہ فروغ اردو، لاہور) 11/501

13- ایضاً

14- العقیقی، نجیب الاسلام والمستشر قون، 464/2

15- ایضاً، ص211

16- چشتی، علی اصغر، ڈاکٹر، تاریخ حدیث (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد) ص457-458

17- العقیقی، **نجیب الاسلام و المستشرقون**، 1/2-3

19- نقوش، رسول نمبر 11/511-512

20- العقیقی، **نجیب الاسلام و المستشرقون**، 1/177

21- ایضاً، 2/803

22- نقوش، رسول نمبر 11/527-531

یونٹ نمبر 6

حدیث اور علوم الحدیث
پر مستشرقین کے اعتراضات کا
تنقیدی جائزہ

ترتیب وتدوین: ڈاکٹر ثناء اللہ
شعبہ قرآن وتفسیر

یونٹ کا تعارف

مستشرقین یورپ نے علوم الحدیث پر جتنا کام کیا، ان کے کام اور منہج کو ہم چھ نکات میں بیان کر سکتے ہیں۔ مستشرقین نے علوم الحدیث میں ضعیف اور موضوع روایات کو بنیاد بنا کر ان پر اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ وہ اسلامی واقعات کو یہودیت اور عیسائیت سے ثابت کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اکثر مستشرقین کی تحریروں کا انداز غیر منطقی اور غیر تحقیقی ہے۔ باقی نکات کا علم آپ کو یونٹ کے پڑھنے سے حاصل ہو جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- مستشرقین کا منہج حدیث اور سیرت جان سکیں۔

2- یہ جان سکیں کی وہ کس طرح موضوع اور ضعیف روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

3- اسلامی تعلیمات کو کس طرح یہودیت اور عیسائیت سے ماخوذ دین ثابت کرتے ہیں۔

4- مستشرقین کی تحریروں کا معیار جان ن سکیں۔

5- مستشرقین کی اہم کتب حدیث و سیرت کا ناقدانہ جائزہ قلم بند کر سکیں۔

حدیث اور علوم الحدیث میں مستشرقین کا منہج

مستشرقین یورپ نے علوم الحدیث پر جتنا بھی کام کیا اس تمام کو ہم مندرجہ ذیل چھ نکات میں بیان کریں گے۔

پہلا نکتہ: ضعیف اور موضوع روایات سے استدلال

مستشرقین نے سیرت نگاری میں ضعیف اور موضوع روایات کو بنیاد بنایا اور انہی روایات پر اپنا فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ نیز اپنے نظریئے کی تعریف کے لئے شاذ اور غریب احادیث کو پیش کرتے ہیں۔ نیز اپنے اس نظریے کو مزید تقویت دینے کے لئے مشہور و مستند روایات پر تنقید کرتے ہیں خواہ وہ نقد و جرح کی کسوٹی پر کتنی ہی کھوٹی ثابت کیوں نہ ہوں یہ لوگ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ شکوک و شبہات پیدا ہوں۔

دوسرا نکتہ: یہودیت اور عیسائیت سے اخذ کرنے کا الزام

مستشرقین کوشش کرتے ہیں کہ سیرت نبوی ﷺ سے متعلق واقعات کو وہ عیسائیوں یا یہودی اصولوں سے اخذ کرنے کا الزام ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ مستشرقین کی بڑی تعداد مسیحی ہے۔ اس لیے وہ اسلام کے اصل محاسن کا سہرا عیسائیت کے سر باندھتے ہیں اور جو مستشرقین یہودی ہیں وہ خاص طور پر اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کو یہودیت سے ماخوذ ثابت کیا جائے۔ مثلاً برطانوی مستشرق منٹگمری واٹ کہتے ہیں: ''اپنے گھر والوں کے ساتھ یا ان کے بغیر محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کی غار حرا میں آمد و رفت کوئی ناممکن بات نہیں یہ بھی ممکن ہے کہ موسم گرما میں شہر مکہ کی سخت گرمی کی وجہ سے جو لوگ طائف نہیں جاسکتے تھے وہ غارِ حرا میں جاتے رہے ہوں گے اور ہوسکتا ہے کہ وہ یہودی اور عیسائی خصوصا راہب ہونے کے اثر کی وجہ سے وہاں گئے ہوں یا ہوسکتا ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کے ذاتی تجربے نے ان میں بقائے دوام اور حیات جاودانی کی آرزو، امنگ اور رغبت پیدا کی ہو اور یہی مستشرق دوسری جگہ پر اس طرح رقم طراز ہے:

> ''ناموس کا لفظ یونانی لفظ ممسوس (Momos) سے مشترک ہے جس کے معنی کتب مقدسہ کے ہیں، موسیٰ کے ذکر میں بھی یہ لفظ ملتا ہے اور ورقہ بن نوفل نے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم پر وحی کی کیفیت دیکھی تو اسی ناموس کے لفظ سے اس کو تعبیر کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم ہم پر جو کچھ نازل ہوا وہ یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس کتابوں کے مشابہ و مماثل ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کو یہ وہم تھا کہ وہ ایک قوم کے بانی اور اس کے شارع ہیں اور جیسا

کہ ابتداء میں ہوتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم شروع میں طبعی طور سے متردد تھے۔ اس وقت ورقہ بن نوفل کی حوصلہ افزائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کی داخلی کیفیات کے لئے اہم چیز ثابت ہوئی۔ اس لیے بعد کی اسلامی تعلیمات میں وہ ورقہ بن نوفل کے افکار سے بہت زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ ''

تیسرا نکتہ: غلط فکر سے معکوس نتائج کا استنباط

مستشرقین کا سیرت نگاری کے حوالے سے مطالعہ معکوس طریقہ پر مبنی ہے۔ نتائج کا استنباط وہ اپنی عقل سے کرتے ہیں۔ سیرت نبوی کی تدوین سے پہلے اس کے متعلق کچھ خیالات قائم کر لیتے ہیں پھر جب سیرت سازی شروع کرتے ہیں تو رطب و یابس ہر قسم کی روایتوں پر اعتماد کرتے ہیں نیز ان روایتوں پر خاص طور پر اعتماد کرتے ہیں جن سے اُن کے مؤلف کی تائید ہوتی ہو وہ ضعیف یا شاذ کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ انہی ضعیف اور شاذ احادیث کو اپنے استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر جواد علی نے لکھا ہے کہ اولین اکابر مستشرقین میں کیتانی اس طرز کے نمایاں نمائندہ تھے اور آج تاریخ اسلام کے نئے ماہرین انہی کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ یہ لوگ بنیادی طور پر ایک غلط فکر کو مدنظر رکھ کر اپنا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ پہلے سے رائے قائم کرتے ہیں اور پھر واقعات میں ایسی چیزون کو تلاش کرتے ہیں جو ان کی آراء کی کسی بھی درجہ میں تائید کرتی ہوں اور باقی باتوں کو وہ خارج از بحث قرار دیتے ہیں۔

نومسلم مستشرق ایتن ڈینیہ نے اپنی کتاب ''الشرق کما یراۃ الغرب'' (مشرق مغرب کی نظر میں) میں اس طرز و نہج کے متعلق خوب باتیں لکھی ہیں۔ ڈاکٹر اسنوک ہرگونج کی یہ رائے درست ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کی جدید سیرت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کسی نظریہ یا کسی رائے کے متعلق تمسخر کا رویہ اختیار کرتے ہیں تو گویا تاریخی مباحث کے بانجھ اور بے جان ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔ اس حقیقت کو موجودہ مستشرقین کو بھی اپنے پیش نظر رکھنا بہتر ہوگا۔

منٹگمری واٹ نے فرانسیسی مستشرق لامانس پر اس قسم کے الزامات عائد کیے ہیں۔ جن کے مرتکب اکثر مستشرقین ہوئے ہیں کہ وہ کج اسلوب ہیں اور معکوس طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کا مطالعہ ہی غلط ہے، خاص طور پر تاریخی واقعات سے اپنی ذاتی آراء کو یہ لوگ جس طرح مدلل کرتے ہیں۔ مطالعہ و تجزیہ کے نام پر ایک بدنما داغ ہے، افسوس ہوتا ہے کہ لامانس جیسے مستشرق دلائل کو اکثر و بیشتر غلط رُخ دیتے ہیں۔ ان کا یہ رویہ قطعاً علمی نہیں ہے، معروضیت و موضوعیت کی پرواہ کیے بغیر وہ اپنے خاص معتقدات و افکار کی تائید میں ایک خیال کو چھوڑ کر دوسرا خیال اپنا لیتے ہیں۔

چوتھا نکتہ: اصل روایات سے غلط مفہوم لینا

مستشرقین اسلام دشمن عناصر پر بڑے مہربان ہوتے ہیں بالخصوص یہودیوں کے لئے وہ اپنے دل میں بڑا نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ اسرائیل دلفن سون بنونضیر کے یہود پر مسلمانوں کے حملہ کے سلسلہ میں اس کی جانب تو اشارہ کرتے ہیں کہ مورخین عرب کے نزدیک مسلمانوں کے حملہ کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم پر قاتلانہ حملہ کرنے کی سازش کی تھی لیکن وہ کہتے ہیں کہ مستشرقین اس سے اس روایت کو صحت کو قبول نہیں کرتے۔ اس کی دلیل وہ یہ لیتے ہیں کہ سورہ حشر میں، جو بنونضیر کی جلاوطنی کے وقت نازل ہوئی تھی، کہیں اس سازش کا ذکر نہیں۔ نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر چشم بینا رکھنے والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسے حالات میں یہود اب یہ سازش کر سکتے تھے اور اگر ان کو یہ سازش کرنی بھی ہوتی تو وہ بجائے اس کے کہ آپ صلی للّی کم پر دیوار سے بھاری پتھر پھینکتے، آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کو اچانک ہاتھ میں پا کر قتل کر دیتے۔ بروکلمان لکھتے ہیں کہ مشرکین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کے باقاعدہ حملہ اور لشکر کشی کی راہ میں بعض دقتیں اور رکاوٹیں تھیں۔ قدیم عربی شرافت فکر مہاجرین کو اپنے قریشی بھائیوں سے جنگ کرنے سے روکتی تھی۔ مدینہ والے اپنے طاقتور پڑوسیوں سے صلح وامن کی فضا کو غبار آلودہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آخر کار رجب کا مہینہ آیا تو آنجناب علیہ السلام نے خفیہ احکام کے ساتھ ایک فوجی دستہ روانہ کیا جس نے ایک تجارتی قافلے پر حملہ کیا اور کافی مال غنیمت کے ساتھ مدینہ واپس ہوا۔ اس قدیم ضابطہ اخلاق کی قانون شکنی نے خود مدینہ میں نفرت کے جذبات بھڑکا دیے۔

پانچواں نکتہ: سیرت نگاری میں مستشرقین کا صلیبی اسلوب

مستشرقین نے سیرت نگاری اور تاریخ نگاری میں بہت زیادہ شکوک وشبہات پیدا کیے اور پھر انہی شکوک وشبہات کی اپنی مرضی سے نفی بھی کی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کی گھریلو زندگی پر بہت زیادہ تنقید کی۔ پیدائش سے لے کر ازدواجی زندگی تک ہر شعبہ زندگی پر تنقید کی۔ بہر حال سیرت سے متعلق صحیح تاریخ کی نسبت وہ اپنی مرضی سے جو چاہیں وہ کر سکتے ہیں حالاں کہ تمام انبیاء ورسل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کی سیرت سب سے زیادہ واضح اور مفصل ہے۔ درمنگھم اس نکتہ پر اظہار خیال کرتے ہیں کہ واقعی یہ افسوس کی بات ہے کہ بعض بڑے مستشرقین مثلاً میور، مارگولیتھ، اسپرنگر وغیرہ نے بعض اوقات نہایت غلو سے کام لیا اور ان کی کتابوں میں خاص طور سے سیرت نبوی کی کردار کشی کی گئی۔ مستشرقین کا حاصل مطالعہ اور نتیجہ فکر برابر صلیبی رہا ہے۔

چھٹا نکتہ: مستشرقین کا معروضی طرز تحقیق

مستشرقین کی تحریروں کا انداز غیر منطقی و غیر تحقیقی ہے۔ وہ سیرت کے زمانے کو موجودہ زمانے کے میعار کے مطابق جانچتے ہیں۔ یتین ڈینیہ اس قسم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ مستشرقین اپنی تحریروں کو اپنے جذبات، رجحانات، ماحول اور اس کے اثرات سے بالاتر رکھیں، اسی وجہ سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم اور سیرت صحابہؓ میں انہوں نے انتہائی درجہ تحریف وترمیم سے کام لے کر اس کی اصل حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے۔ وہ یہ دعویٰ ضرور کرتے ہیں کہ ان کی تنقید کا اسلوب معروضی، تعصب سے پاک، حقیقت پر مبنی اور علمی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر مولف جرمن مستشرق ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم جرمن لہجہ میں گفتگو کرتے نظر آتے ہیں اور اگر وہ اطالوی ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کا طرز بھی اطالوی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مصنف کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کی شخصیت بھی بدلتی ہے۔ اگر ان لوگوں کی تحریر کردہ کتب سیرت میں اس کی صحیح تصور تلاش کی جائے تو وہ نہایت مدہم نظر آئے گی۔ یہ مستشرقین صرف خیالی تصویریں پیش کرتے ہیں جو حقیقت سے کوسوں دور ہوتی ہیں۔

مستشرقین کی اہم کتب سیرت کا ناقدانہ جائزہ

ایک مستشرق اپنی مغربیت اور اپنے خارجی تصور کی وجہ سے سیرت کے مزاج اور فطرت میں شکست وریخت کے عمل کو اپناتا ہے اور اس طرح مذہبی جذبات سے تصادم مول لے کر ثابت شدہ حقیقوں سے متعلق آشفتہ بیانی سے کام لیتا ہے اور اپنے ثابت شدہ حقائق کی روشنی میں سیرت کے جسد سے اس کی روح اور معنویت کو جدا کرنے کی بے سود کوشش کرتا ہے۔ جیسے گویا یہ بھی کوئی مادی جسم ہے جس پر تجربات کرنے کے لئے بحث وجدال کی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا ضروری ہو۔ ان نقطوں کی روشنی میں کسی بھی مستشرق کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کی سیرت کے بارے میں خالص اسلامی طرز عمل یا کوئی سنجیدہ موقف اختیار کر سکے۔

سیرت کے موضوع کو سنجیدگی سے سمجھنے کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے اس کی بنیاد تین مرحلوں پر ہے۔ پہلے مرحلے میں اس غیبی سرچشمے پر ایمان لانا یا کم از کم اس کا احترام کرنا ضروری ہے جس سے پیغام محمدی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم اور حقیقت وحی کا تعلق ہے۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ موضوع کے دائرہ میں رہ کر اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہے ایسا نہ ہو کہ پیشگی فیصلہ یا تصور کی وجہ سے فہم کی راہ میں جو موانع پیش آئیں ان کی روشنی میں اصل موضوع ہی کے اجزاء میں کانٹ چھانٹ ہونے لگے۔

تیسرا مرحلہ خالص اصولی طریق بحث کا ہے جس میں تحقیق کے تمام وسائل کا احاطہ کرلیا جائے تو زبان سے واقفیت اور بنیادی مواد کی فراہمی سے تحقیق کی ابتدا ہوتی ہے اور تقابل وموازنہ اور تنقید وتحقیق وغیرہ اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔

مستشرقین اصول تحقیق کے تیسرے مرحلے میں تو پختگی اور کمال کی چوٹیوں پر نظر آتے ہیں۔لیکن وہ سیرت کے موضوع پر صحیح علمی کارنامے سرانجام نہیں دے سکتے۔وہ موضوع کو پورے طور پر سمجھ بھی نہیں سکتے کیونکہ غیبی سرچشمے کے احترام اور موضوع کے دائرہ میں محدود رہنے کے لئے خالص علمی طرز سے ہم آہنگ ہونا ضروری تھا اور ان کے ہاں یہی چیز مفقود ہے۔پہلے مرحلے میں مستشرقین اور مادہ پرستوں سے ایمان راسخ کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا نیز ان کے لئے یہ ممکن نہیں لیکن چونکہ سیرت کے واقعات غیبی پس منظر رکھتے ہیں ایک آسمانی مذہب جو بالاتر قوت سے تعلق رکھتا ہو وہ انسان کے زمینی یا مادی تجربوں کا صحیح عکاس نہیں ہوسکتا اس کی تفہیم کے لئے حقیقی سرچشمہ کا ادراک ضروری ہے۔

مغربی محققوں پر دوسرے مرحلہ میں گرفت کی جاسکتی ہے کہ وہ اصل موضوع سے بار بار ہٹ جاتے ہیں۔اگر وہ اس کے پابند ہوتے تو زمان ومکان، مسلک اور نفسیات کی پیچیدگی سے اپنی عقل کو آزاد کر لیتے ان اضافی رجحانات اور اصل موضوع میں کانٹ چھانٹ سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے تو یقیناً ان کی یہ تحقیقات سیرت کی روح اور اس کے مزاج کے زیادہ قریب ہوتیں اور ان میں پختگی بھی زیادہ پائی جاتی۔

مغربی محققین سیرت کے واقعات اور اس کی فطری ترکیب کو پورے طور پر سمجھنے میں قاصر رہ جاتے ہیں۔نیز اگر کسی مغربی محقق نے سیرت کے کسی موضوع پر کوئی معرکتہ الآراء کام کیا ہے تو اس میں اس سے تاریخی جزئیات یا عقائد کی تفصیلات پر بحث وگفتگو بے فائدہ اور اس پر تنقید وقتی فائدہ کی حامل ہوسکتی ہے۔اس لیے اس کے مقابلہ میں جزئیات کو زیر بحث لانے کی بجائے ان بنیادی امور پر بحث کرنی چاہیے جن سے وہ شک وریب کی دلدل سے نکل سکتے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ سیرت کے موضوع پر ایک ایسے عادلانہ طریق بحث ونظر کو اختیار کیا جائے جس میں اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ ایک نبی کی سیرت دوسرے افراد کی سوانح سے واضح طور پر مختلف اور جداگانہ چیز ہے۔یہ مستشرقین اگر سیکولر اور مادہ پرست ہیں اور ان کا غائب پر ایمان نہیں اور اگر یہودی ہیں تو ان کو اپنی نسل سے باہر کوئی نبی تسلیم نہیں اور اگر عیسائی ہیں تو ان کو اپنے بعد کسی کی نبوت ورسالت کا یقین نہیں ہوتا۔

سیرت طیبہ نے غائب وشہود کی یکجائی کے ساتھ اسلامی عقیدہ کے اثر ونفوذ میں ایک تاریخی کردار ادا کیا۔اس نے تحریف شدہ مسیحیت کو جڑ سے ختم کر دیا۔جس کی وجہ سے سیرت اور مستشرقین کے درمیان فاصلے زیادہ ہوگئے اور وہ فہم سیرت سے محروم ہوگئے، وہ اگرچہ بار بار اپنی غیر جانبداری اور معروضیت کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر اپنے منطقی تجزیہ اور معلومات کی

کثرت کے باوجود ان کی تحقیقات کو صف اول میں جگہ نہیں دی جاتی۔ مستشرقین کی تحقیقات منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔ ان میں تاریخی تحقیق کے ضمن میں سیرت کے مختلف گوشوں پر بحث کی جاتی ہے اور تحقیقی اداروں اور مختلف یونیورسٹیوں میں ان کا کام معروف ہو جاتا ہے۔ ان میں کچھ تحقیقات ایسی ہیں جن میں فہم و فراست کے لئے جدید وسائل سے کام لیا گیا ہے۔ اس لیے ان میں اگر چہ تاریخ، بحث کا اسلوب معتبر اور پسندیدہ نہ ہو۔ تب بھی مطالعہ سیرت کے وقت ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مستشرقین کی غلطیوں کی نشاندہی اور ان کے منحرفانہ اندازِ ترکیب کو نمایاں کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم ان کا تنقیدی مطالعہ کریں۔

رسول اکرم ﷺ کے بارے میں اہل مغرب کے موقف کا تعین مذہبی اغراض کے لئے ہوا تھا۔ ان کے ہاں تعصب، نفرت اور غصہ کے جذبات کارفرما تھے۔ ناواقفیت نے کہیں دانستہ اور کہیں نادانستہ طور پر رسول اکرم صلی ال نیم کے اور ان کے درمیان ایسے دبیز پردے ڈال دیئے جن کی وجہ سے خالص علمی، تعلیمی، تاریخی یا معروضی تحقیقات وجود میں نہیں آسکتیں۔ نصرانی کلیسا کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کے بند ہی نمائندوں نے ایک بے پناہ سیلاب کی کیفیت پیدا کر رکھی تھی۔ اس کے بعد یہی کام ان کے سیکولر افراد نے سرانجام دیا اور ان کا کلیسا سے کوئی تعلق نہیں مگر نفرت اور تعصب سے گزشتہ روایت آج تک برقرار رکھی۔

یونٹ:7

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم اور مستشرقین

ترتیب وتدوین: ڈاکٹر ثناء اللہ
شعبہ قرآن وتفسیر
نظر ثانی: ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ قرآن وتفسیر

یونٹ کا تعارف

تحریک استشراق کے حوالے سے سترھویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بقول مولانا شبلی سے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے کسی قدر سیرت نبوی صلی اللہ ظلم کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی۔ گو موقع بہ موقع معلومات سابقہ کے استعمال سے بھی احتراز نہیں کیا گیا۔ اس صدی میں مستشرقین کے رویہ اور سلوک میں اس تبدیلی اور فرق کی اصل وجہ گویا ان کے مآخذ (Sources) کے بدل جانے میں تھی۔ اس یونٹ میں سیرت کے حوالے سے مستشرقین کی تالیفات کا ایک ارتقائی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- سیرت نبوی صلی علم پر مستشرقین کے کام کو جان سکیں۔

2- مستشرقین کے رویئے جان سکیں۔

3- سیرت کے میدان میں مستشرقین کی تالیفات سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

4- سیرت کے میدان میں مستشرقین کی تالیفات میں ارتقائی عمل جان سکیر

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم پر مستشرقین کی تالیفات کا ایک ارتقائی جائزہ

تحریک کا ارتقاء

تحریک استشراق کے حوالہ سے سترہویں اور اٹھارہویں صدی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ تحریک کے ارتقائی، اُس کے پھلنے پھولنے کا عہد ثابت ہوا۔ جہاں تک سترہویں صدی عیسوی کا تعلق ہے۔ بقول مولانا شبلی یہ صدی یورپ کے عصر جدید کا مطلع ہے، اور یورپ کی جدوجہد، سعی وکوشش اور حریت وآزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے۔ پھر یہ عروج استعمار کی صدی ہے، جس کے پنجہ استبداد میں رفتہ رفتہ عالم اسلام آتا چلا گیا۔ یورپی شہزادوں کی سرپرستی میں اسلامی مطبوعات کے بارے میں معلومات جمع کی جانے لگیں۔ عربی زبان کی ماہیت وخاصیت کو سمجھنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ ارپی نیس (Erpenius 1584-1624) عربی قواعد پر مشتمل پہلی کتاب شائع کی، جو لغوی اصولوں پر مرتب کی گئی تھی۔ پھر اُس کے اتباع میں اُس کے شاگرد جیکب جولیس (Jacob Golius 1596-1667) نے بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔

1638ء میں ایڈورڈ پوکاک (Edward Pococks 1604-1691) پہلا انگریز مستشرق تھا جسے آکسفورڈ یونیورسٹی میں شعبہ عربی کا صدر نشین بنایا گیا۔ مزید برآں عربی زبان کی قواعد اور لغت کی ترتیب کا کام آسٹریا کے میرٹسکی (Lorriunuer Franz meurnski) نے بھی ۱۶۸۰ء میں انجام دیا۔ اس کے علاوہ اسلامی علوم اور تہذیب وتمدن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے ایک ادارہ ڈی ہربیلٹ (D'Herbelot) کی سرکردگی میں قائم کیا گیا۔ اس ادارہ نے ایک اہم کام یہ کیا کہ اس وقت تک جس قدر بھی مشرقی علوم پر کتابیں شائع ہوئی تھیں، ان کی ایک باقاعدہ فہرست مرتب کر کے شائع کر دی جو بڑی معلومات افزا تھی۔ اسی ادارہ کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کی سیرت پر پر ایک کتابچہ بھی شائع کیا گیا۔

سترھویں صدی میں مستشرقین کا سیرت پر کام

سترھویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بقول مولانا شبلی سنے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے کسی قدر

تاریخ اسلام وسیرت پیغمبر کی بنیادعربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی۔ گوموقع بہ موقع معلومات سابقہ کے مصالحہ کے استعمال سے بھی احتراز نہیں کیا گیا۔ اس صدی میں مستشرقین کے رویہ اور سلوک میں اس تبدیلی اور فرق کی اصل وجہ گویا ان کے مآخذ (Sources) کے بدل جانے میں مضمر تھی۔ ازمنہ وسطی کے روایتی لاطینی اور بازنطینی مواد کی سیاہیوں میں اسلامی اور عربی مصادر نے روشنی پیدا کی اور انہوں نے اس تضاد کو بھی سمجھ لیا جو سیاحوں کے سفرناموں کے اندراجات، ان کے تصورات اور اصل حقائق کے مابین پایا جاتا تھا۔ اس عہد میں بھی حسب سابق مطبوعات اور تصنیفات بہت کم ہیں۔ البتہ جو مستشرقین، مطالعہ سیرت رسول صلی وملک کے حوالے سے سامنے آئے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

(1) ولیم بیڈول (W.Bedwell) انگریز مستشرق تھا جس کا زمانہ 1561ء تا 1632ء ہے۔

اُس کے آثار وباقیات میں دو کتابیں قابل ذکر ہیں۔ ایک عربی لغت جو سات جلدوں میں ہے اور 1610ء سے پہلے شائع ہوئی اور دوسرے سیرت رسول پر کتاب جو لندن سے 1615ء میں شائع

(24) یوجین یونج (YoungEugene) فرانسیسی مستشرق، متعدد کتابوں کا مصنف، ایک ضخیم رسالہ ''نورِ اسلام کی خاص کرن''، دوسرا ''مشرق جس طرح اسے مغرب نے دیکھا'' بسیرت نبوی بزبان فرانسیسی وغیرہ وغیرہ۔ انتقال 1920ء میں ہوا۔

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ صدیاں گزرنے کے ساتھ ساتھ قرون وسطی کا مسیحی دماغ بدلتا چلا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، اگر چہ اُن کے عزائم اور مقاصد میں فرق نہیں آیا، تاہم دین اسلام آیا، اور سیرت رسول کے بارے میں مستشرقین کا رویہ اور سلوک (Treatment) یکساں نہیں رہا۔ اور جیسے جیسے عہد جدید کی منزل قریب آتی گئی، مجموعی طور پر ان کے ظاہری رویہ میں معقولیت کا رنگ نمایاں ہوتا چلا گیا، اور وہ خود یہ محسوس کرنے لگے کہ تعصب وتشدد کی انتہا پسندی خود ان کے لئے اور ان کی تحریک کے لئے ضرر رساں ہوگی۔ بہر حال اب ہم اگلے دور میں قدم رکھ رہے ہیں۔

عہد جدید میں مستشرقین کی سیرت نگاری کا ایک جائزہ

پچھلا دور جو بیسویں صدی کے ربع اول میں اختتام کو پہنچا، جیسا کہ واضح ہوا، تحریک استشراق کا نقطہ کمال ثابت ہوا، اور ہر اعتبار سے استشراقی سرگرمیوں نے فروغ پایا۔ اب وہ دور جسے ہم عہدِ جدید سے تعبیر کر سکتے ہیں بیسویں صدی کے ربع اول سے شروع ہوا اور تا حال جاری وساری ہے۔

عہد جدید آیا تو اپنے جلو میں نت نئے رجحانات بھی لے کر آیا اور سیاسی وعسکری اور معاشی وسماجی سطح پر پچھلی بہت سی باتوں کو زیروزبر کر گیا۔ چنانچہ عالمی جنگیں اور اس کے نتیجہ میں مشرقی ومغربی معاشروں پر ہمہ گیر اثرات، نوآبادیاتی علاقوں کی بیداری، ظلم واستحصال کی تاریکیوں کے خلاف حریت وآزادی کی روشنی، استعماری قوتوں کی شکست وریخت، ایجادات و اختراعات کے ظہور، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظریات کے نمو اور تہذیب وتمدن کے تنوع نے حالات ومسائل کی نوعیت کو بہت کچھ بدل ڈالا۔

اُدھر استشراق کے حوالہ سے یہ امر قابل ذکر ہے کہ تحریک استشراق پچھلے دور میں جس نقطہ کمال تک پہنچ چکی تھی، ہر کمالے را زوال کے مصداق، غالباً مزید پیش قدمی ممکن نہ رہی، اس لیے یہ سوال بجا طور پر پیدا ہوا کہ کیا تحریک استشراق روبہ زوال ہوگئی ہے(99)؟ بہرحال واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کی کوششوں کا ایک رُخ تو یہ ٹھہرا کہ جو کچھ حاصل کر لیا گیا تھا اُسے بہر طور باقی رکھا جائے۔ دوسری طرف اسلام، پیغمبر اسلام اور عالم اسلام کے اعمال واحوال کے مطالعہ میں زیادہ انہماک، توجہ اور امعان نظر برتا جانے لگا، جز وقتی اسکالرز کے بجائے کل وقتی علماء نے جگہ حاصل کی اور آکسفورڈ، کیمبرج، لندن اور مغرب کی دوسری جامعات میں قرآن، حدیث، فقہ، تصوف اور دوسرے اسلامی ومشرقی مباحث کے لئے باقاعدہ نشستیں مخصوص کی جانے لگیں۔ یہ مطالعہ لازماً خلوص پر مبنی نہ تھا مگر ان کے اشتغال وانہماک پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ اس سے خال خال مفید نتائج بھی پیدا ہوئے اور کعبہ کو صنم خانے سے بعض پاسبان بھی مل گئے۔

مطالعہ سیرت کے حوالے سے کسی حد تک اعتدال اور انصاف پسندی کی روایت جسے دیل، گوئٹے اور کارلائل وغیرہ نے آگے بڑھایا تھا، اس عہد میں بھی جاری وساری ہے اور الفانسو، آرچر، ٹائن بی، بلاشیر اور واٹ وغیرہ کے یہاں روایتی انتہا پسندی کے ساتھ ساتھ معقولیت ومعدلت کے نمونے بھی نظر آجاتے ہیں۔ اسلامی مصادر کی تحقیق ودریافت، ان کی تبویب اور اشاریہ سازی (Indexing) کا کام نہ صرف آگے بڑھا بلکہ ایک طرف تو مستشرقین نے اس معاملے میں اپنی محنت وریاضت سے ایک طرح کی اجارہ داری حاصل کر لی اور دوسری طرف اسلامی مشرقی مصادر پر نقد وجرح کے کام کو بھی وسیع پیمانے پر انجام دیا جانے لگا۔ یہ غالباً تحریک استشراق کے مزاج سے بھی ہم آہنگ تھا کہ مصادر ومآخذ کا اعتبار اسی طریقے سے اٹھ سکتا تھا اور مشرقی اذہان وقلوب میں تشکک وتذبذب کے بیج بوئے جا سکتے تھے۔ اس ضمن میں قرآن، سنت اور دوسرے مصادر سیرت کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا اور مال کار یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم بس ایک پکے مفاد پرست، سیاسی رہنما تھے اور مذہبی خلوص وسچائی کی ان میں بہت کمی تھی۔

اس عہد میں جو نئے رجحانات پروان چڑھے اُن میں سے چند قابل ذکر ہیں۔ بعض مستشرقین نے سیرت نبوی کا مطالعہ طبعی اور مرضیاتی (Pathological) نقطہ نظر سے کیا، کچھ نے اس عہد کے معاشی اور سماجی عوامل سے متاثر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کو محض ایک معاشی اور معاشرتی مصلح کی حیثیت سے اہمیت دی، اور کچھ نے ان سب سے مرکب و مرتب شدہ نظریہ قائم کیا۔ یہ تمام نقطہ ہائے نظر دراصل مخصوص ذہنی وفکری پس منظر کی پیداوار تھے۔

طبی اور مرضیاتی نقطہ نظر سے سیرت کے مطالعہ میں یہ موقف قائم کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم (خاکم بدہن) نفسیاتی و دماغی امراض کا شکار تھے۔ انہیں مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ ہنری لامنس کی دریافت یہ ہے کہ یہ دورے حد درجہ اشتہا کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ اس سے پہلے اس نقطہ نظر کی ترجمانی مشہور برطانوی مستشرق اسپرنگر بھی کر چکا تھا اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کر چکا تھا کہ خدانخواستہ آنحضرت مصلی الم کا نظام اعصاب (Nervous System) چونکہ مختل تھا اور آپ نعوذ باللہ ہذیان واضطراب اعصابی کے مریض تھے اس لیے ان کے لائے ہوئے دین اور ان کی سیرت میں اس کا مظاہرہ نظر آتا ہے طبی اور مرضیاتی نقطہ نظر کو مزید تقویت مطالعہ سیرت میں علم النفس کے اصول کے اطلاق سے ہے۔ ملی۔ اس کے تحت اسلام اور پیغمبر اسلام کی سیرت کی نفسیاتی تحلیل کی کوششیں کی گئیں۔ اس معاملہ میں فرانز بھل (BuhlFrants) اور طور اینڈرنے (AndraeTor) نے سبقت دکھائی اور حق ترجمانی ادا کیا۔

زیر بحث دور میں جن نئے رجحانات اور نئی تحریکوں نے جنم لیا ان میں اشتراکی نقطہ نظر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مارکس اور اینجلز کے خیالات اور تاریخ کی مادی تعبیر نے اپنا حلقہ اثر پیدا کیا اور ایسے مستشرقین آگے آئے جن کی نظر میں اسلام کی اشاعت وفروغ اور پیغمبر اسلام کی کامیابیاں، دراصل سیاسی، سماجی اور معاشی عوامل کی کارفرمائیوں کا نتیجہ تھیں۔ چنانچہ اس ضمن میں جرمن مستشرق ہیوبرٹ کرائم (Hubert Crimme) کا نام معاشی نظریہ کے ارتقاء کی علامت بنا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام پر اس کی دو کتابیں شائع ہوئیں۔ اُس کی تحقیقات کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام کو ایک مذہبی دینی نظام کی بہ نسبت ایک سماجی اشتراکی نظام کی حیثیت سے سمجھنا چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کو محض ایک پیغمبر کے بجائے صرف ایک سیاسی سماجی اور معاشی مصلح ماننا چاہیے۔ سیاسی سماجی اور معاشی نقطہ ہائے نظر کا رنگ مارگولیتھ (Margoliouth) نے اور گہرا کیا۔ اس نے اپنے مطالعہ سیرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کو محض ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے ہی پیش کیا اور اپنی کتابوں اور مقالات میں یہاں تک لکھا کہ مکہ میں اپنی دکان سے لے کر مدینہ میں ایک مملکت کی تعمیر تک 23 سال کا عرصہ لگایا۔ پھر دریدہ دہنی کی انتہا کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کو نعوذ باللہ ڈاکوؤں کا سردار'' اور ''مدینہ کا ظالم مستبد''

لکھنے میں بھی تکلف نہیں کیا۔ اطالوی مستشرق پرنس لیون کتانی (PrinceLeoneCadtani) نے اپنے دیو پیکر کام کا ماحصل یہ قرار دیا کہ " آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم بس ایک چالاک سیاست دان تھے اور انہوں نے معاشی وسیاسی مفادات کی خاطر مذہبی داعیات کو قربان کر دیا تھا۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم (خاکم بدہن) پکے مفاد پرست (Opportunist) تھے اور اپنی سیاست بازی میں انہوں نے اپنی مذہبیت کو پس پشت ڈال دیا تھا۔'' مطالعہ سیرت میں یہ انتہا پسندی خلاف حقیقت بھی تھی اور خود گروہ مستشرقین میں سے بھی بعض نے اسے بالکل پسند نہیں۔ تاہم بعض مستشرقین نے ایک بین بین رویہ اختیار کیا۔ مثلاً عہدِ جدید کا مشہور مؤرخ ٹائن بی اپنی عظیم الشان تصنیف مطالعہ تاریخ میں دنیا جہان کی تہذیبوں کا مطالعہ کرتا ہے اور واقعات سے اصولوں کو اخذ کرتا ہے، پھر اسلام کے بارے میں بھی عمومی طور پر معقول رویہ کا اظہار کرتا ہے لیکن جب سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم پر قلم اٹھاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کی حیات طیبہ کو دو مراحل میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اُس کے نزدیک پہلا مرحلہ تو وہ ہے جبکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کا قیام مکہ میں رہا۔ اس دوران بقول ٹائن بی آپ کلیتہ مذہبی مشنری سرگرمیوں میں منہمک رہے، رہے، لیکن دوسرے مرحلہ میں مدینہ پہنچ کر انہوں نے بقول ٹائن بی، مذہبی مقاصد سے الگ ہو کر سیاسی سرگرمیوں کو جاری وساری کیا۔ وہ بہر حال اس خیال کی پرزور تردید کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم ایک بہروپیا (Imposture) تھے۔ ٹائن بی کے افکار کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام ایک مثالی پیغمبر تھے۔ ایک اور جدید مصنف بلاشیر (Blachere) اپنی کتاب ProlemeLe Mahometde میں حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کی زندگی سے زیادہ آپ ملی لی نام کی حیات طیبہ کے مصادر سے بحث کرتا ہے اور غلو سے بچتے ہوئے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ احادیث وسیر کے ذخیرے میں بہر حال ایک حصہ ایسا ہے جسے جدید تکنیکی طریقوں سے جانچ پرکھ کر مستند تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اسی قسم کا نقطہ نظر ولیم منٹگمری واٹ کا بھی ہے۔ مطالعہ سیرت کے ضمن میں واٹ نے متعدد کتابیں تحریر کیں۔ واٹ کی تصنیفات کو بہر حال آخری جدید ترین کوششوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک مصادر نے جہاں تک اجازت دی اپنی دانست میں ایک مکمل تصویر پیش کرنے کی کوشش کی۔ واٹ کے کام کی خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے پچاس سال کے دوران علمیت'' نے جو ترقی کی ہے اُس کا مظاہرہ اس کی تصانیف میں نظر آتا ہے اور اس کی تصانیف اسلامی مآخذ کی جدید ترین دریافت اور جرح وتنقید کے جدید اصولوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ واٹ کا موقف ٹائن بی سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے کہ وہ بھی آنحضرت صلی کم کی شخصیت کو مکہ مدینہ میں مختلف سمجھتا ہے۔

بہر حال عہد جدید کا یہ عمومی جائزہ اس حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ عہد جدید کے مستشرقین اگرچہ اپنے اندازِ تحریر،

علمیت اور طرز ہائے تحقیق میں اپنے اسلاف سے بہت مختلف ہو گئے ہیں اور بہت سے معاملات میں انہوں نے بالکلیہ رجوع کر لیا ہے تاہم یہ بھی ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ تمام تر جدیدیت کے علی الرغم تحریک استشراق کا اصل محرک جذبہ اب بھی کارفرما حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ عہد جدید کا ایک مصنف اپنی زبان قلم سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ پرانی دشمنی عہد جدید میں بھی جاری و ساری ہے۔ علاوہ ازیں اس صورتِ حال میں ایک اور جدید ترین مصنف ایڈورڈ ڈبلیو سعید کا یہ تجزیہ بالکل درشت معلوم ہوتا ہے کہ استشراق (Orientalism) اور اس کی تحریک کا اہتمام و انضباط بنیادی طور پر، اٹھارھویں اور انیسویں صدی عیسوی میں ایک سیاسی ضرورت کے تحت ہوا اور استشراق کو جہان مشرق پر اس وقت مسلط کیا گیا جبکہ مشرق، مغرب کے مقابلہ میں مغلوب و منفعل تھا اور پھر " قوت وضعف" کے اس تفاوت نے بعض لازمی نتائج کو پیدا کیا۔ (126) استشراق کے درحقیقت دو چہرے یا دو رخ ہیں۔ ایک اس کا داخلی اور پوشیدہ پہلو (Latent) اور دوسرا ظاہری یا خارجی رُخ (Manifest) پہلا داخلی پوشیدہ رُخ (Latent Orientalism) متغیر ہوتا رہا یعنی مشرقی معاشرہ و تہذیب، زبان، ادب، تاریخ، معاشرت وغیرہ کے بارے میں خیالات و افکار بدلتے رہے۔ مختصر یہ کہ مستشرقین کے خیالات میں تبدیلی اسی ظاہری استشراق کے حوالہ سے آتی رہی لیکن داخلی جذبہ استشراق، ہمیشہ سے لے کر آج تک یکساں محکم و مستحکم رہا اور کسی واضح تبدیلی سے آشنا نہیں ہوا۔ بہر حال خلاصہ کو استشراق کسی مثبت اور تعمیری رویہ اور سلوک و دستور (Positive Doctrine) کا نام نہیں بلکہ یہ مغرب کی جاری کردہ موثر علمی روایت ہے۔

عہدِ حاضر کے اس مختصر علمی جائزہ کے بعد مناسب ہے کہ اس دور کے چند مشاہیر مستشرقین کا تعارف پیش کر دیا جائے:

1- مونٹے (Montet, Ed) فرانسیسی مستشرق- زمانہ 1856 تا 1927 ۔علمی یادگاروں میں اسلام، حال و مستقبل (مطبوعہ پیرس 1910ء)، الاسلام (مطبوعہ 1921ء)، تاریخ اسلام (مطبوعہ 1913ء) اور فرانسیسی میں ترجمہ قرآن مجید (مطبوعہ 1929ء) شامل ہیں۔

2- گاڈفرے ڈی ممبائن (GoudefroyDemombynes,M) فرانسیسی مستشرق۔ زمانہ 1862ء 1957ء۔ پیرس میں مشرقی علوم والسنۃ کے شعبہ میں عربی کا استاذ، متعدد کتابوں کا مصنف مثلاً اسلام میں نظم (1931ء)، مکہ و مدینہ (1918ء)، عالم اسلامی اور بازنطینی صلیبوں تک (1931ء) وغیرہ

3- کارلو الفانسونل لینو (Nalline, Carlo Alfanso) اطالوی مستشرق۔ زمانہ 1872ء تا 1938ء بے شمار مصنفات و مطبوعات اُس سے منسوب ہیں۔ مثلاً منتخاب القرآن (لیپزگ 1893ء)، اسلام سے پہلے قبائل عرب

کی تکوین وترتیب (1893ء)، تاریخ یمن قبل اسلام (1927ء)، ممالک عرب کی اسلام کے بعد عصر حاضر تک تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، عادات، اسماء ، قبائل وتراجم رجال، فہرست مخطوطات اور شخصیات کی تحقیق، رواۃ، روایت اور مصادر کی تحلیل وغیرہ، اور حیات محمد صلی اللہ کل جواس کے انتقال کے بعد رومہ سے 1949ء میں شائع ہوئی۔

4- سر تھامس آرنلڈ (Arnold, Sir Thomas) انگریز برطانوی مستشرق۔ زمانہ 1864ء تا 1930ء۔ اُس کی مشہور ترین کتاب دعوت اسلام (The Preaching of Islam) مطبوعہ لندن 1896ء ہے۔

5- ربرٹ بریفالٹ (Briffault,Robert Stapher) برطانوی مستشرق، انگریز سرجن اور ناول نگار، مشہور ترین کتاب ''دی میکنگ آف ہیومینٹی تھی۔

6- مارماڈیوک پکتھال (Pickthall.M.W) زمانہ 1875ء تا 1936ء۔ مشہور برطانوی شخصیت۔ ترجمہ قرآن اور اسلامی تہذیب پر خطبات یادگار حیثیت رکھتے ہیں۔

7- اسٹینلے لین پول (PooleLaneStanley) مشہور برطانوی مستشرق۔ زمانہ 1854ء تا 1931ء- مورخ، ماہر آثاریات، برٹش میوزیم میں پرانے سکوں کا محافظ (1874ء-1892ء) تاریخ مسلمانان اندلس پر خاص کام ہے۔

8- نکلسن (Nicholson,R.A) مشہور برطانوی مستشرق متعدد تصانیف۔ لیکن خاص الخاص کتاب عرب کی ادبی تاریخ مطبوعہ لندن نیویارک ہے 1907ء اور اس کا مضمون " محمد اور قرآن نیز محمد کی ایک نامعلوم سوانح نکلس کا زمانہ 1868ء تا 1945ء ہے۔

9- نولد یکے (Noldeke.Th) مشہور جرمن مستشرق- زمانہ 1836ء تا 1930ء۔ تصنیفات زیادہ تر سامی زبانوں پر اور تاریخ اسلام پر۔ نیز قرآن مجید کی سورتوں کی اصل اور ترکیب پر بحث۔[138] نقد حدیث کے اسکول کا سرخیل سیرت پر کتاب Das Hebsen Muhammad's nach der Quellen popular Largestelt مطبوعہ 1863ء

10- ہرگرونج (Snouck,Hergronje,C) ہالینڈ کا مستشرق۔ زمانہ 1857ء تا 1936ء۔ اس کے آثار میں مکہ کا حج، فقہ اسلامی اور سیاست نبوی شامل ہیں۔ مذہبا عیسائی، زیادہ تر کام ولندیزی زبان میں۔ ماہر اسلامیات سمجھا

جاتا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ اسلام اپنی ابتداء سے ہی سیاسی مذہب تھا۔ بہر حال اسلام کے بارے میں اسے بہت سی غلط فہمیاں تھیں اور اس نے نجی اسلام اور سرکاری اسلام کے درمیان فرق متصور کیا۔

11- ونسنگ (Wensinck,AJ) ولندیزی مستشرق- زمانہ 1881ء تا 1939ء۔ اس کی علمی یادگاروں میں "یہودِ مدینہ کے بارے میں رسول اللہ کا موقف" جو اس کے مقالہ ڈاکٹریٹ کا موضوع بھی تھا اور لندن سے 1908ء میں شائع ہوا۔ اور محمد اور یہود، الاسلام (مطبوعہ 1911ء) وغیرہ خاص ہیں۔

12- زاخاؤ (Sachau,E) جرمن مستشرق، زمانہ 1845ء تا 1930ء[143] جیسا کہ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ ابن سعد کی طبقات اس کی کوششوں سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔

13- جوزف ہوروز (Horovitz, J)، جرمن مستشرق۔ زمانہ 1874ء تا 1931ء۔ اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں مغازی واقدی پر قلم اٹھایا (مطبوعہ 1898ء)۔

14- جوزف ہوروز (Hell Joseph) جرمن مستشرق۔ زمانہ 1857ء 1950ء۔ آثار میں عربی تہذیب پر اُس کی کتاب مشہور ہے۔

15- کارل بروکلمان (Brockelmman ,C) جرمن مستشرق۔ زمانہ 1868ء تا 1956ء۔ بے شمار کتابوں کا مصنف، لیکن مشہور ترین تصنیف تاریخ اقوامِ مسلم میں آنحضرت صلا لالی نام پر تحریر قابل ذکر ہے۔

16- بارتھولڈ (Barthold , V.V,) روسی مستشرق۔ زمانہ 1869ء تا 1930ء۔ تصانیف کثیر ہیں مثلاً اسلامی ،تہذیب تاریخ ترکستان عالم اسلام، خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز وغیرہ۔

17- صمویل زویمر (Zewemer) امریکی مستشرق- اجل علمائے مستشرقین میں سے اس کی تصانیف کثرت سے ہیں۔ خاص طور پر مسیحیت اور اسلام کے تعلقات پر۔ اُس کی دیگر کتابوں میں اسلام سے پہلے بلاد عرب دنیا میں اسلام، حیات محمد، اسلام صحرائے عرب میں، ورثہ نبوی وغیرہ۔

18- ایچ جی ویلز (Well, Herbert, Gorge) انگریز مستشرق، زمانہ 1886ء تا 1946ءء۔ افسانہ نگار، ماہر عمرانیات اور مورخ۔ متعدد تصانیف یادگار ہیں۔ خصوصاً دی آؤٹ لائن آف ہسٹری میں محمد ﷺ اور اسلام۔

19- گب (Gibb, Sir Hamilton, A.R) اس عہد کا مشہور ترین برطانوی بزرگ مستشرق 1895ء میں پیدا ہوا۔ اور ابھی چند دھائیاں پہلے وفات ہوئی ہے۔ گب کی تصانیف اگر چہ بہت سی ہیں تاہم اصل شہرت کتاب Mohammadenism (محمدیت) سے ہوئی، جو 1949ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے نام کے سلسلے میں گب

نے خود توجیہات پیش کیں۔لیکن یہ نام وتوجیہات خود اس کے شاگرد اسمتھ کو پسند نہیں آئیں۔معلوم ایسا ہوتا ہے کہ گب کے یہاں مختلف نظریات،تصورات اور خیالات میں ارتقاء واقع ہوا اور وقت وحالات کے تحت بہت سے اندازے غلط ثابت ہوئے۔جس کا ثبوت اُس کی مختلف تحریروں سے ملتا ہے۔اپنی عمر کے آخری ایام میں بہر حال اُس نے اسلام کے بارے میں نرم روی کا مظاہرہ کیا۔

-20 ولفریڈ کینسٹو یل اسمتھ (Smith, W.C) گب کا شاگرد، زندہ مستشرق۔پیدائش جولائی 1916ء میں ہوئی۔پی ایچ ڈی کی سند 1949ء میں ایک اور مستشرق فلپ کے حطی کے زیر نگرانی تحقیقی مقالہ (مجلۃ الازہر، تجزیہ وتنقید) پر حاصل کی۔مذہب عیسائی،متعدد کتابوں کا مصنف،حال پروفیسر ریلیجین ڈلہوزی یونیورسٹی کناڈا۔

-21 برنارڈ لوئیس (Levis, Bernard) عہد جدید کا مشہور انگریز مستشرق پیدائش لندن میں 1916ء میں ہوئی۔ خالص یہودی،اسلام اور علوم اسلامی پر متعدد تصانیف،لیکن اصل کام قانون اور اصول فقہ اسلام پر کیا۔

یونٹ نمبر 8

سیرت رسول ﷺ پر مستشرقین کے بعض اعتراضات اور ان کے جوابات

ترتیب وتدوین

ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ قرآن وتفسیر

نظر ثانی

ڈاکٹر عبدالمجید بغدادی

لیکچرر، شعبہ عربی

یونٹ کا تعارف

مستشرقین نے سیرت النبی ﷺ کو خصوصی طور پر اپنے مذموم حملوں کا نشانہ بنایا اور طرح طرح کے اعتراضات سیرت پر کئے ہیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے دامن کو داغ دار کرنے کے لئے مختلف انداز اختیار کئے۔ مستشرقین کی سیرت نویسی کا یہ انداز قرون وسطی میں عام تھا اور آج بھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوا۔ اس یونٹ میں مستشرقین کے چند اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے تا کہ ان اعتراضات کو بطور نمونہ قاری کے سامنے رکھا جائے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- مستشرقین کا متعصّبانہ رویہ جان سکیں۔
2- مستشرقین کے عزائم جان سکیں۔
3- مستشرقین کا انداز تحقیق جان سکیں۔
4- سیرت پر مستشرقین کے اعتراضات جان سکیں۔

سیرت رسول ﷺ پر مستشرقین کے بعض اعتراضات اور ان کے جوابات

مستشرقین نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کو خصوصی طور پر اپنے مذموم حملوں کا نشانہ بنایا اور قسم قسم کے اعتراضات کئے۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے دامن مبارک کو داغ دار کرنے کے لئے مختلف انداز اختیار کئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو ڈراموں، فلموں اور تصویری کہانیوں کے ناپسندیدہ کردار کی شکل میں پیش کیا۔ کبھی آپ ﷺ کے جسد انور کو جہنم کے پست ترین درجوں میں دکھایا۔ کبھی یہ ظاہر کیا کہ حضور ﷺ کا جسد انور زمین و آسمان کے درمیان معلق ہے۔ کبھی آپ ﷺ کو دشمن مسیح علیہ السلام بنا کر پیش کیا۔ کبھی آپ ﷺ کو ایک بت کی شکل میں پیش کیا۔ کبھی انہوں نے ظاہر کیا کہ حضور ﷺ نے ایک کبوتر پال رکھا تھا، جو آپ ﷺ کے کانوں پر آ کر بیٹھتا اور آپ لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے کہ یہ فرشتہ ہے جو وحی لے کر آیا ہے۔

مستشرقین کی سیرت نویسی کا یہ انداز قرون وسطی میں عام تھا اور آج بھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوا۔ سلمان رشدی نے "Satanic Verses" کو اسی انداز میں لکھا ہے جس انداز میں قرون وسطی کے مستشرقین حضور ﷺ کے متعلق لکھتے رہے ہیں۔

حضور ﷺ کی عظمت اور صداقت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ کے دشمن آپ کے خلاف کبھی کسی الزام پر متفق نہیں ہو سکے۔ ایک مستشرق نے آپ کے خلاف جو الزام تراشا دوسرے مستشرق نے اس کی تردید کر دی۔ ایک دشمن نے حضور ﷺ کے کردار کو مجروح کرنے کے لئے کوئی شوشہ چھوڑا تو کسی دوسرے دشمن نے اس کو بے بنیاد قرار دے دیا۔ ہمیں مستشرقین کے تحریروں میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

مستشرقین کی یہ عادت ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی مقدس شخصیت کے متعلق طرح طرح کے مفروضے گھڑتے ہیں اور انہیں پھیلاتے رہتے۔ جس مستشرق کے باطن میں جتنا زیادہ خبث جمع تھا اس نے اتنی ہی سفاکی سے نبی اکرم ﷺ پر وار کئے اور جن مستشرقین کے ضمیر میں زندگی کی کوئی رمق باقی تھی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے کردار میں کبھی کبھی روشنی کی کوئی کرن دیکھی ہے وہ ان کے قلم پر بھی آئی ہے لیکن پھر تعصب اور مصلحت کے بوجھ تلے دب کر دم توڑ گئی ہے۔ کچھ خوش نصیب مستشرقین ایسے بھی ہیں جنہوں نے سیرت رسول ﷺ سے اٹھنے والی نور کی کرن سے اپنے دلوں کو منور کیا ہے اور دشمناں رسول سے ناطہ توڑ کر غلامان رسول ﷺ کی صف میں شامل ہو گئے ہیں، جیسے:

1) عبداللہ بن عبداللہ

2) رسل ویب (Russel Webb) ان کا پرانا نام الیگزینڈر رسل ویب ہے۔ پہلے عیسائی، پھر مادہ پرست اور بالآخر توفیق الٰہی سے مسلمان بن گئے۔

3) ڈاکٹر مارٹن لنگز (Dr.Marin lings) یہ برطانوی مستشرق تھے اور مصر میں انگریزی کے پروفیسر رہے۔ یہ بقول علامہ ذکریا ہاشم زکریا:

''تصوف کی سیڑھی کے ذریعے خدا تک جا پہنچے۔ ان کا اسلامی نام ابوبکر سراج الدین ہے۔''

4) ڈاکٹر ارمتھر کین، یہ امریکی ماہر نفسیات تھے، توفیق الٰہی سے مسلمان ہو گئے اور اپنا نام علی عمیر کر یمر کھا۔

5) جان سنت، یہ برطانوی انگریز مستشرق تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور اپنا نام ''محمد جان'' رکھا۔

ان مستشرقین کے علاوہ کئی اور لوگ بھی ہیں جنہوں نے بالآخر اسلام قبول کر لیا، مثلاً جرمن مفکر علاؤالدین شبلی، فرانسیسی مستشرق الفونس آتین (ناصرالدین) لارڈ ہیڈلے الفارق-(Lord Headly Al Farooq) پولینڈ مستشرق لیوپولڈ ولیس (علامہ اسد) جرمن مستشرق ڈاکٹر عبداللہ آسٹریلوی مستشرق ڈاکٹر عمر رولف اہرنفلس (Dr.Umar Rolf Ehrenfels) فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر غرینیہ، برطانوی مستشرق ڈاکٹر خالد شیلڈرک (Dr.Khalid Sheldrick) اور امریکی یہودی خاتون محترمہ مریم جمیلہ وغیرہ۔

الزامات مستشرقین کا رد کرنے والوں کے لئے مشکلات

مستشرقین کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر لگائے گئے نہیں، الزامات کا ردّ کرنے والے مسلمانوں کو سب سے پہلے جس مشکل سے واسطہ پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ مستشرقین حضور ﷺ کے خلاف الزام تراشی میں کسی ایک نکتے پر متفق نہیں ہوتے بلکہ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں، مثلاً: پورا عالم یہودیت و نصرانیت حضور ﷺ کے سر پر تاج نبوت سجنے کی وجہ سے پوری نسل اسماعیل کا دشمن ہے اور اس دشمنی کے اظہار کیلئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لونڈی کی اولاد ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن دوسری طرف استشراق کا لبادہ اوڑھنے والے کچھ یہودی اور عیسائی وہ ہیں جو حضور ﷺ کو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی نسل سے تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ کچھ مستشرق کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دولت، شہرت اور اقتدار کے حصول کیلئے ایک نیا مذہب گھڑا تھا اور اس مذہب کے ذریعے دھوکے سے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا تھا لیکن کچھ وہ مستشرق ہیں جو حضور ﷺ کے لئے دھوکے باز کا لفظ استعمال کرنے کی جرات نہیں کرتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ آپ جو کچھ کہتے تھے اس کی صحت

وصداقت پر آپ کو کامل یقین تھا۔لیکن آپ اپنے اس عقیدے میں غلطی پر تھے۔یہی وجہ ہے کہ مستشرقین کے خیالات کی تردید کیلئے ان کے متضاد دعوؤں کا تعاقب کرنا پڑتا ہے۔

اعتراضات مستشرقین کی مختلف نوعیتیں

مستشرقین نے حضورﷺ کی سیرت پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کی مختلف نوعیتیں ہیں۔عربوں کے ہاں خاندانی وجاہت ایک بہت بڑا انسانی کمال شمار ہوتا تھا۔مستشرقین حضورﷺ کی خاندانی وجاہت کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جدید مادیت زدہ دور میں دولت کو انسانی عظمت کی کسوٹی سمجھا جاتا ہے،مستشرقین اس کسوٹی کو حضورﷺ پر لاگو کر کے آپ کا مقام گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔وہ بیسویں صدی عیسوی کے مادی اقتدار کو ساتویں صدی عیسوی کے عربوں پر منطبق کر کے مکہ کی مارکیٹ میں ایسے طاقتور اجارہ داروں کا سراغ لگانے کی کوشش کرتے ہیں جو کمزور قبائل کو تجارت کے میدان میں سر اٹھانے کی مہلت نہ دیتے تھے۔حضورﷺ کو دھوکے باز ثابت کرنے کے لئے وہ پورا زور لگاتے ہیں تاکہ یہ ثابت کریں کہ حضورﷺ نے یہودیت اور عیسائیت سے تعلیمات اخذ کیں،ان کی بنیاد پر ایک دین وضع کیا اور دعوی کیا کہ یہ الہامی دین ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔وہ حضورﷺ کے اخلاق پر حملہ کرتے ہیں۔آپﷺ کو شہوت پرست اور ظالم قرار دیتے ہیں۔اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ کسی اصول کے پابند نہ تھے بلکہ جب ضرورت پڑتی تھی اصولوں کو توڑ دیتے تھے اور دعوی کرتے تھے کہ انہیں وحی کے ذریعے اس غلط اصول کو توڑنے کا حکم ملا ہے۔

9) حضورﷺ کی اکثر شادیاں بچپن سے لے کر انسٹھ سال تک کی عمر کے درمیان ہوئیں۔

جو شخص حضورﷺ کی بیویوں کی تعداد کو گن کر آپﷺ کے کردار کے متعلق کوئی فیصلہ صادر کرتا ہے اور ایسا کرتے وقت مندرجہ بالا حقائق کو نظر انداز کر دیتا ہے کیا ایسے شخص کو غیر جانبدار محقق اور انصاف پسند عالم کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مختصر یہ کہ:

> ''زوجات رسولﷺ کے مسئلے کا تمام پہلوؤں سے جائزہ لینے والا شخص اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ آپ کی شادیاں بھی آپ کی شان رحمۃ اللعالمینی کا مظہر تھیں۔لیکن دل کے مریض کو ان شادیوں میں کئی تاریک پہلو نظر آتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ یہ تاریکیاں ان کے اپنے دلوں کی سیاہی کا عکس ہیں اور خدا کا حبیبﷺ ہر اس چیز سے پاک ہے جو اس کی خداداد عظمتوں اور رفعتوں کے منافی ہے''۔

مستشرقین کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ابتدا میں بتوں کی مخالفت نہیں کی تھی۔

کیا ''لا الہ الا اللہ'' کا نعرہ ان تین سو ساٹھ بتوں کے خدائی کا انکار نہ تھا جو مکہ والوں نے خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے؟ مکہ والوں نے جب حضور ﷺ کی زبان پاک سے یہ نعرہ سنا ہوگا تو کیا اس نعرے میں انہیں اپنے بتوں کی خدائی کا انکار نظر نہ آیا ہوگا؟

یہ بات کہنا بھی سفید جھوٹ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کئی مشرکانہ رسوم کو باقی رکھا تھا اور ان رسوم کو باقی رکھنے کا سبب مصلحت اندیشی تھا۔

حضور ﷺ نے نہ صرف شرک کو مٹایا تھا بلکہ ہر وہ چیز ہر وہ رسوم اور ہر وہ سمجھی قدر جس کا شرک سے دور کا بھی واسطہ تھا، آپ نے اس کو ختم کر دیا تھا۔

مستشرقین نے وحی کو بھی اپنا تختہ مشق بنایا۔ وہ اسے نبی اکرم ﷺ کی نفسیاتی و عقلی کمزوری اور بیماری کا نام دیتے ہیں۔

خالص مادہ پرست ہونے کی بنیاد پر یہ لوگ وحی کی حقیقت کے فہم وادراک سے عاجز وقاصر ہیں۔ وحی کی کیفیات اور نبی اکرم ﷺ اور حامل وحی حضرت جبریل علیہ السلام کے تعلقات کی نوعیت کو یہ لوگ نہیں سمجھ سکے اور نہ ان حدیثوں کے مفہوم سے آگاہ ہو سکے جن میں حالات و کیفیات وحی بیان ہوئی ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس کی نہایت غلط توجیہ کی ہے۔

خود آزمائی

1) مستشرقین کے متعصّبانہ رویوں پر نوٹ لکھیں۔
2) مستشرقین کے مقاصد اور عزائم پر مقالہ قلم بند کیجئے۔
3) مستشرقین کے انداز تحقیق پر نوٹ قلم بند کیجئے۔
4) سیرت پر مستشرقین کے اعتراضات پر نوٹ قلم بند کیجئے۔
5) سیرت پر مستشرقین کے اعتراضات کے عقلی و نقلی جوابات تحریر کریں۔

حوالہ جات

1- ضیاء النبی ﷺ (پیر کرم شاہ الازہریؒ) ج7، ص161 او 162
2- ایضاً 162

3- مثالوں کے لئے ملاحظہ کیجئے: ضیاء القرآن (پیر کرم شاہ الازہریؒ) ج7،ص162 ومابعدھا

4- اس کے حالات کے لئے دیکھیے: دعوت اسلام، پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ،ص20 ومابعدھا

5- تفصیل کیلئے دیکھیے: ہم مسلمان کیوں ہوئے، عبدالغنی فاروق،ص40 ومابعدھا، لاہور 1987ء نیز دعوت اسلام صفحہ 5، ومابعدھا

6- ان کے متعلق معلومات کے لئے دیکھیے: المستشرقون والاسلام، زکریا ہاشم زکریا،ص40 یابعدھا 1968ء

7- ان کے بارے میں تفصیل کے لئے دیکھیے: المستشرقون والاسلام،ص51 ومابعدھا

8- دیکھیے: سابق حوالہ

9- تفصیل کے لئے دیکھیے: ضیاء القرآن ج6،ص217، ومابعدھا

10- ضیاء القرآن، ج7،ص167

11- ایضاً،ص168

12- ایضاً

13- سابق حوالہ،ص169

14- مستشرقین کے افکار وخیالات کے لئے دیکھیے: ضیاء النبی، ج7،ص169 تا163

15- سابق حوال ص174،175

16- ایضا:ص212

17- سنن الترمذی، کتاب المناقب، ج5،ص545

18- ایضاً،ص217

19- ایضاً

20- دیکھیے سابق حوالہ،ص219

21- ایضا،234

22- سورۃ الانشرح (94):4

23- سورۃ الضحیٰ (93):4

24- سنن الترمذی،ص148، نیز دیکھیے: رسول مبین از علامہ محمد احسان الحق سلیمانی،ص603

25- ایضاً،ص163

26- مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے: سنن الالترندی، ج7،ص280 ومابعدھا

27- رسول مبین،ص616 بحوالہ کوٹیلر انسائیکلوپیڈیا، ج9

28- ضیاءالقرآن، ج نے،ص296

29- مستشرقین اوراسلام از شیخ انورالجندی، مترجم: عمیرالصدیق، دراسلام اور مستشرقین، ج2،ص183

30- ضیاءالنبی، ج7،ص475 نبی اکرم ﷺ کی کی شادیوں کے (تعلیمی، تشریعی، سماجی وسیاسی) مقاصد کی معرفت کے لئے دیکھیے: شبہات واباطیل حول زوجات الرسول ﷺ از محمد علیا لصابونی

یونٹ نمبر 9

اسلامی فقہ اور مستشرقین

ترتیب وتدوین

ڈاکٹر ثناء اللہ

لیکچرر، شعبہ قرآن وتفسیر

نظر ثانی

ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ قرآن وتفسیر

یونٹ کا تعارف

اسلام کے ابتدائی دور کو موضوع تحقیق بنانے والے مستشرقین میں اس مفروضے کو ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر مان لیا گیا ہے کہ احادیث نبوی ﷺ اور اقوال صحابہؓ کا بحیثیت مجموعی کائی تعلق نہ تو عہد نبوی سے ہے اور نہ عہد صحابہ سے، بلکہ روایات کا یہ سارا ذخیرہ بعد کے دور کی پیداوار ہے۔ مستشرقین کے اس گروہ میں جوزف شاخت بھی شامل ہے اور حدیث سے شاخت کی اصل دلچسپی کا سبب یہ تھا کہ وہ فقہ اور اصول وفروع کی تشکیل میں احادیث کے کردار کا تعین کرنا چاہتے تھے۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ پہلے فقہی قواعد بنائے گئے پھر اس کے بعد ان قواعد کو تقویت پہنچانے کے لئے احادیث وضع کی گئیں۔

اس یونٹ میں ہم جوزف شاخت کے موقف کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1) مستشرقین کے ہاں فقہ کے بنیادی مصدر حدیث کا جو مقام ہے وہ جان سکیں۔
2) مستشرقین کا منہج تحقیق جان سکیں۔
3) جوزف شاخت اور ان کے منہج کو جان سکیں۔
4) جوزف شاخت کے مفروضوں پر تنقیدی جائزہ قلم بند کر سکیں۔
5) فقہ اور حدیث کے درمیان ربط کو جان سکیں۔

فقہ کا بنیادی مصدر حدیث

صحت احادیث جوزف شاخت کی ''دلیل سکوت'' کا تنقیدی جائزہ

جوزف شاخت کی دلچسپی فقہ اسلام کے آغاز کی تحقیق سے تھی جو ان کی تصنیف(The Origins of Muhammadan Jurisprudence) سے واضح ہے۔شاخت کا یہ دعویٰ تھا کہ مسلمانوں میں احادیث کو رسول اللہ ﷺ سے منسوب کرنے کا رواج عام خیال کے برعکس کافی بعد میں پڑا۔انہوں نے اس بات کا بھی دعویٰ کیا کہ قانونی مسائل کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں،ان کی بڑی تعداد ۱۵۰ ہجری کے لگ بھگ (وضع کر کے) لوگوں میں پھیلائی گئی تھیں۔

شاخت نے اپنی تحریروں میں یہ نقطہ نظر ثابت کرنے کے لئے اکثر مقامات پر''دلیل سکوت'' (Argument Silentio) سے کام لیا،اور اس کے سہارے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ان روایات کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا جو بعد کے دور میں ہمیں احادیث نبوی یا آثار صحابہؓ کی شکل میں ملتی ہیں۔

لہذا یہاں ہماری معروضات شاخت کی پیش کردہ ''دلیل سکوت'' کے تنقیدی جائزے تک ہی محدود رہیں گی، کیوں کہ اسی دلیل کو شاخت نے احادیث کی صحت کے مشتبہ بنانے ، بلکہ ان کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے لئے بنیاد کے طور پر استعمال کیا ہے۔

شاخت کے موقف کی تردید میں دوسری صدی ہجری کے بعض فقہاء کے قانونی موضوعات میں چند ایک تقابلی جائزہ

زیر نظر صفحات میں ہم دوسری صدی ہجری کے بعض فقہاء کے قانونی موضوعات میں سے چند ایک کا تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہیں تا کہ ان کی روشنی میں شاخت کے مفروضوں کا جائزہ لیا جا سکے۔اس مطالعے کے آغاز کے لئے ہم نے موطا کے دو نسخے منتخب کئے ہیں،یعنی موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ ۔موطا امام مالکؒ کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ فقہائے مدینہ کی قانونی آراء کا ذخیرہ ہے اور اس کا شمار حدیث کے ابتدائی مدون و مرتب مجموعوں میں بھی ہوتا ہے۔ امام مالک (ولادت:۹۵ھ) مالکی فقہ کے بانی ہیں۔ان کا زمانہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ سے معتد بہ قبل کے دور سے ہے۔

امام شیبانی کی ولادت ۱۳۲ھ کی ہے اور ان کا تعلق امام ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) کے فقہی مذہب سے ہے۔ امام محمد بن الحسن الشیبانی کی روایت کردہ احادیث اور ان کی فقہی آراء بھی درج کی ہیں جو امام شیبانیؒ کے اپنے فقہی مسلک کے مطابق اور امام مالک کے مسلک سے متعارض ہیں۔ کبھی کبھی امام شیبانی نے اپنے مذہب کی آراء کا ذکر کرنے کے بعد ان کی تائید کرنے والی احادیث بھی اس میں شامل کی ہیں۔

ان تمہیدی باتوں کے بعد آیئے! اب موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کا تقابلی مطالعہ کریں۔ اس مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ امام مالکؒ کی موطا میں احادیث کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو ہمیں امام شیبانیؒ کی موطا میں نظر نہیں آتی، اگرچہ امام شیبانیؒ کا زمانہ امام مالک کے بعد کا اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بسا اوقات وہ احادیث جو خود امام شیبانی کے مسلک اور ان کی آراء کی مؤید ہیں، وہ ہمیں موطا امام مالک میں تو ملتی ہیں، لیکن امام شیبانی کی موطا میں نہیں ملتیں۔ ذیل کی چند مثالیں دیکھئے:

1) موطا امام مالک میں اوقات نماز کے بارے میں ۱۳ روایات ہیں (دیکھئے: موطا امام مالکؒ، ص ۳ و مابعد)، جبکہ موطا امام شیبانیؒ میں ان میں سے تین روایات مذکور ہیں۔ (ملاحظہ ہو، ص ۴۲ و مابعد)

2) نماز فجر کے افضل وقت کے بارے میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کا اختلاف معروف ہے۔ اہل مدینہ مدینہ نماز فجر غلس یعنی قدرے اندھیرے میں پڑھنے کے قائل تھے اور اہل کوفہ اسفار یعنی قدرے روشنی میں نماز فجر پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ موطا امام شیبانی (ص ۴۲) میں اہل کوفہ کی اس رائے کا ذکر ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ امام شیبانیؒ نے اپنی موطا میں اس حدیث نبوی کا کوئی حوالہ نہیں دیا جو موطا امام مالک (ص ۴ و مابعد) میں موجود ہے اور جس سے امام شیبانی کے اپنے مذہب کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔

3) اس مسئلے پر کہ مسّ ذکر سے نقض وضو واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ موطا امام مالک (ص (۴۲) میں چھ روایات ہیں۔ ان میں سے صرف دو روایات موطا امام شیبانیؒ میں ملتی ہیں (ص) (۵۰) ان غیر موجود روایات میں سے ایک روایت کی نسبت رسول اکرم ﷺ سے ہے اور دوسری روایت کی حضرت عبداللہ ابن عمر سے۔

4) غسل جنابت کے مسئلے پر موطا امام مالکؒ میں چار روایات ہیں (ص ۴۴) ان میں سے صرف ایک روایت موطا امام شیبانیؒ میں شامل ہے (ص ۷۷) موطا امام مالکؒ کی ان چار میں سے دو روایات رسول اکرم ﷺ سے مروی ہیں۔

5) موطا امام مالکؒ میں ''غسل المراۃ اذارات فی المنام'' کے عنوان کے تحت دو روایات ہیں (ص (۵۵)، جب کہ

موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت پائی جاتی ہے (ص ۷۹)۔ مؤخر الذکر مجموعے میں جو روایت شامل نہیں، وہ حدیث نبوی ہے اور اس کی اسناد یہ ہے: مالک، ام سلمی، ام سلیم، نبی ﷺ

6) الوضوء من القبلۃ'' کا باب موطا امام مالکؒ میں تو موجود ہے (ص ۴۳ و مابعد)، مگر موطا امام شیبانیؒ میں یہ پورا باب موجود نہیں۔

7) الظھو رفی الماء'' کا باب موطا امام مالک میں موجود ہے (ص ۲۲)، مگر موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

8) اسی طرح ''البول قائما'' اور ''السواک'' کے ابواب بھی موطا امام مالکؒ میں موجود ہیں (ص ۶۶ و مابعد)، لیکن موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

9) موطا امام مالک کے حصے "النداء فی الصلوۃ" (ص ۶۷ و مابعد) کا، اگر موطا امام شیبانیؒ (ص (۸۲) سے مقابلہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ موطا امام مالکؒ کی متعدد روایات (مثلاً ۱، ۵، ۶، ۷، ۹) موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہیں۔

10) موطا امام مالک میں کفن المیت کا حصہ (ص ۲۲۳) تین روایات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت موجود ہے (یعنی روایت ۷، ص ۱۶۲) یہ روایت حضرت عبداللہ اور عمرو بن العاص سے مروی ہے۔ جو دو احادیث موجود نہیں ہیں ان میں سے ایک رسول اکرم ﷺ کی تکفین کا بیان ہے۔

11) موطا امام شیبانیؒ میں ''زکوۃ الفطر" (ص ۱۷۶) کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر کی وہ روایت موجود نہیں ہے جو موطا امام مالکؒ کے ص ۲۸۳ پر ہمیں نظر آتی ہے۔

12) موطا امام مالک کی جو روایتیں "من لاتجب علیہ زکوۃ الفطر" کے عنوان کے تحت مندرج ہیں (ص ۲۸۵) اور جو "مکیلۃ زکوۃ الفطر" (ص ۳۸۲ کے تحت آتی ہیں، ان میں سے کوئی روایت موطا امام شیبانی میں موجود نہیں۔

13) استیذان البکر والایم" کے باب میں موطا امام مالکؒ میں تین روایات ہیں (ص ۵۲۴)، جب کہ موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت ملتی ہے (ص ۲۳۹) جو دو روایات مؤخر الذکر کتاب میں مفقود ہیں، ان میں سے ایک حدیث نبوی ﷺ ہے۔

14) موطا امام شیبانیؒ کا ''لعان'' کا حصہ (ص ۲۶۲) کئی ایسی روایات سے خالی ہے جو موطا امام مالکؒ کے حصہ لعان (ص ۵۶۶) میں موجود ہیں۔

15) بیع تمور کی ممنوعہ صورتوں کا بیان موطا امام شیبانیؒ نہیں صرف ایک روایت پر مشتمل ہے (ص ۳۲۰)، جب کہ موطا

امام مالک میں اسی مسئلے پر تین روایات پائی جاتی ہیں اور تینوں کی سند رسول اکرم ﷺ تک جاتی ہے (ص ۶۲۳ و مابعد)

یہی صورت حال اس وقت بھی سامنے آتی ہے جب ہم اسی نقطہ نظر سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کی تصانیف، بالخصوص کتاب الآثار ابو یوسف اور کتاب الآثار امام شیبانی کا موازنہ کرتے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ امام یوسف کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوا اور امام شیبانی کا ۱۸۹ھ میں، اور اگر امام ابو یوسفؒ اور امام شیبانؒی کے سالہائے پیدائش بھی پیش نظر رکھے جائیں (جو بالترتیب ۱۱۳ھ اور ۱۳۲ھ) تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ امام شیبانیؒ سے عمر میں خاصے بڑے تھے لہذا یہ بات قرین قیاس ہے کہ امام شیبانیؒ کی تصانیف کا زمانہ امام ابو یوسف کی آخری عمر کا زمانہ ہو۔ یہ اس بات کے علاوہ ہے کہ امام شیبانیؒ کی متعدد تصانیف امام ابو یوسف کی تصانیف پر مبنی، بلکہ اس سے ماخوذ ہیں۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل حقائق پر توجہ فرمائیے۔

کتاب الآثار ابو یوسفؒ میں شامل روایات کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو کتاب الآثار امام شیبانی میں موجود نہیں ہے، باوجودیکہ مؤخر الذکر کے مؤلف یعنی امام شیبانیؒ کا زمانہ امام ابو یوسفؒ سے قدرے بعد کا ہے۔

☆ کتاب الآثار ابو یوسف کی روایت 845، حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اور اس کا تعلق مضاربہ سے ہے۔ یہ کتاب الآثار امام شیبانی میں موجود نہیں۔

☆ کتاب الآثار ابو یوسف، روایت 830 رسول اکرم صلی علیکم کی ایک حدیث ہے جس کا تعلق بائع اور مشتری کے درمیان قیمت پر اختلاف سے ہے۔ یہ حدیث کتاب الآثار امام شیبائی میں موجود نہیں ہے۔

کتاب الآثار ابو یوسف، روایت 666 حضرت عمر سے مروی ہے جس کا تعلق طلاق اور عدت سے ہے۔ یہ روایت کتاب الآثار امام شیبانی میں موجود نہیں ہے۔

''نفقہ'' اور ''سکنیٰ'' کے مسئلے پر کتاب الآثار ابو یوسفؒ میں متعدد روایات ہیں (دیکھئے: روایات 592، 726، 608 اور 728) ان میں سے کوئی بھی روایت کتاب الآثار امام شیبانی میں موجود نہیں۔

کتاب الآثار امام ابو یوسفؒ روایات 709,707,704 لعان سے تعلق رکھتی ہیں، یہ روایات کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

''ظہار'' سے متعلق کئی روایات کتاب الآثار ابو یوسف میں موجود ہیں جو کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں شامل نہیں۔

''مزارعۃ'' کے متعلق سالم کی روایت کتاب الآثار ابو یوسف میں نمبر 857 پر ہے جب کہ وہ کتاب الآثار امام

شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

''فرائض'' سے متعلق کتاب الآثار ابو یوسفؒ کی روایات (780-779) کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

کتاب الآثار ابو یوسفؒ کی روایات (399، 401، 597، 607 وغیرہ) جو متفرق موضوعات سے متعلق ہیں، کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

مذکورہ بالا بحث اور موازنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الآثار کی روایات امام شیبانیؒ کے علم میں تھیں مگر اس کے باوجود کتاب الآثار ابو یوسف کی بعض روایات امام شیبانیؒ کی تالیف میں شامل نہیں ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے شاخت کے اختیار کردہ منہاج تحقیق کے اس بنیادی مفروضے کی بنیادیں ہل جاتی ہیں جس کے سہارے انہوں نے ''احادیث کی افزائش'' کا کلیہ بڑے زور شور سے پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں شاخت نے مندرجہ ذیل تین امکانات سرے سے نظر انداز کر دیئے ہیں، جب کہ صورت حال یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک احتمال موجود ہے۔

1) کسی شخص تک ایک روایت پہنچی ہو، مگر بعد میں وہ اس کے حافظے سے محو ہو گئی ہو۔

2) کسی شخص تک وہ روایت پہنچی ہو، مگر اس کی نظر میں اس کی صحت مشکوک ہو، اس لئے اس نے اس کا ذکر یا اندراج نہ کیا ہو۔

3) اس شخص کے علم میں وہ روایت ہو، مگر آج جو تالیفات ہماری دسترس میں ہیں، ان میں اس روایت کا سراغ موجود نہیں۔ مسلم تہذیبی سرمائے پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ فقہ و حدیث کا پورا ذخیرہ ہم تک منتقل نہیں ہو سکا، بلکہ گردش لیل و نہار بے شمار کتابوں کے ضیاع کا سبب بنی۔ یہ بات خاص طور پر ان علماء اور فقہاء کے بارے میں درست نہیں ہے جن کا تعلق اسلام کے ابتدائی دور سے ہے۔ ان شواہد کی روشنی میں اس بات کے باور کرنے کے قوی اسباب موجود ہیں کہ بعض روایات نسبتاً ابتدائی دور کے فقہاء و محدثین کے زمانے میں موجود تھیں، لیکن مرور ایام کے ساتھ وہ تلف ہو گئیں اور آج متداول کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔

ان تمام باتوں کو درخور اعتناء نہ سمجھنا اور اپنے قائم کردہ مفروضے کے خلاف پائے جانے والے تمام شواہد کو بلا کسی معقول سبب کے مسترد کر کے اپنی مبالغہ آمیز تشکیک پر اڑے رہنا کسی طرح پختہ کار اور محتاط اہل علم کو زیب نہیں دیتا۔

خودآزمائی

1) مستشرقین کے ہاں حدیث کا جو مقام ہے، اسے قلم بند کیجئے۔
2) مستشرقین کے منہج تحقیق پر نوٹ قلم بند کیجئے۔
3) جوزف شاخت کے منہج پر نوٹ قلم بند کیجئے۔
4) جوزف شاخت کے مفروضوں پر تنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔

حوالہ جات

نوٹ: یہ یونٹ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری: جوزف شاخت کی دلیل سکوت'' کا تنقیدی جائزہ سے لیا گیا ہے، ترجمہ محمد سہیل عمر کا، یہاں کچھ تبدیلیوں کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

1۔ دیکھئے ظفر اسحاق انصاری،

The Early Development of Islamic Fiqh in Kufa with Special Reference to the Works of Abu Yusuf and Shaybant"

(کوفہ میں اسلامی فقہ کا ابتدائی نشوو ارتقاء، بحوالہ تصانیف ابو یوسف وشیبانیؒ)، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، ادارہ مطالعات اسلامی، میکگل یونیورسٹی، مونٹریال، 1966ء ص193 و ما بعد، نیز متعلقہ حواشی خود مسلمانوں میں حدیث کے بارے میں تشکیک کا جو رجحان پیدا ہوا، اس کا جائزہ لینے کے لئے دیکھئے:

G.H.A Juynboll, The Authenticity of the Tradition Literature:Discussion in Modern Egypt,Leiden:Brill1969.

Muhammedanische Studien دو جلدیں بالترتیب 1889ء اور 1890ء میں شائع ہوئیں۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ Muslim Studies کے نام سے 1967ء میں لندن سے شائع ہو چکا ہے۔

2۔ اس معاملے میں بعض اہل علم کو مستثنیٰ قرار دینا ضروری ہے۔ ان میں سب سے نمایاں نام نابیہ ایبٹ کا ہے۔ اس موضوع پر ان کی کتاب ہے:

Studies in Arabic Literary Papyrill :Qur'anic Commentary and Tradition, Chicago,1967.

اس کتاب میں نابیہ ایبٹ نے حدیث کے ابتدائی دور کے بارے میں اتنی وافر اور قیمتی معلومات فراہم کر دی ہیں کہ انہیں سامنے رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مستشرقین کا قائم کردہ مفروضہ نہ صرف مبالغے پر مبنی ہے، بلکہ اس کی کوئی مضبوط بنیادیں نہیں ہیں۔ بعض مسلمان اہل علم نے بھی مغربی زبانوں میں اپنی تصانیف میں مختلف پہلوؤں سے اس مفروضے کی تردید کی ہے، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو فواد سیزگن کی کتاب:

Geschichte des Arbischen Schrifttums,Vol.1,Leiden,1967.

ان دونوں مصنفین کی تحریروں کی اہمیت کے بارے میں دیکھئے:

C.J.Adams,"Islamic Religious Tradition" in Deonard Dinder,ed. The Study of the Middle East, New York:1976,pp.66-69

نیز ملاحظہ ہو:

M.M. Azami, Studies in Early Hadith Literature, Indianapolis:American Trust Publication,1978.

گولڈتسیھر اور شاخت کی نقش قدم پر چلتے ہوئے اور انہیں رویوں پر مبنی ایک اور کتاب بھی شائع ہو چکی ہے، دیکھئے:

G.H.A.Juynboll,Muslim Tradition in Chronology,Provenance and Authorship in Early Islam,Cambridge: Cambridge UniversityPress,1983.

3۔ اسلامی عقائد کی ابتدائی تاریخ اور اس موضوع کے سلسلے میں احادیث کے کردار کے بارے میں اور بھی تحریریں سامنے آئی ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھئے:

Josef van Ess, Zwishen Hadit and Thologie:Studien zum Entstehten Pradistinatianischer Uberlieferung,Berlin and New York,1975.

اسی سلسلے میں دیکھئے:

Michael Cook, Early Muslim Dogma:A Source-Critical Study,Cambridge: Cambridge University Press,1981.

جوزف شاخت The Origins of Muhammadan Jurisprudence (فقہ اسلامی کا آغاز)، آکسفورڈ، 1959ء، اشاعت سوم، ص149۔

(آئندہ سطور میں اس کتاب کا حوالہ ''آغاز فقہ" کے عنوان کے تحت دیا جائے گا۔)

شاید یہ کہنا نا مناسب نہ ہو کہ محولہ عبارت کی تولید گی، صرف راقم الحروف کے اسلوب کی عکاس نہیں، بلکہ اصل انگریزی عبارت بھی غیر معمولی طور پیچیدہ ہے۔ اصل الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

every legal tradition from the Prophet, until the contrary is proved, must be taken not as an authentic or essentially authentic, even if, slightly obscured, statement valid for his time or the time of the Companions, but as the fictitious expression of alegal doctrine formulated at a later date.

4۔ جوزف شاخت Introduction to Islamic Law فقہ اسلامی کا تعارف)، لندن: 1964ء ص:34۔

5۔ آغاز فقہ،ص140 ومابعد

محولہ بالا کتاب کے ص142 پر شاخت نے ایک عنوان قائم کیا ہے: ''اوزاعی اور مالک کے درمیانی عہد میں منظر عام پر آنے والی احادیث۔ یہاں شاخت کی اپنی قائم کردہ مثال سے اس کے اپنے ہی قائم کردہ مفروضوں میں سے ایک اہم مفروضے کی، جس پر شاخت نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے، تردید جاتی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس موقع پر خود شاخت نے اس ضرورت کا احساس کیا ہے کہ ''دلیل سکوت کے استعمال میں احتیاط برتنے کی ضرورت۔'' یہ الگ بات ہے کہ وہ خود اس ضمن میں بعض اوقات اپنے ہی بیان کردہ قاعدوں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شاخت نے پہلی اور دوسرے صدی ہجری کی آراء کے مطالعے کے سلسلے میں بعض اوقات وہ مآخذ استعمال کئے ہیں، جو پہلی صدی کے کافی بعد کے زمانے کے ہیں۔ یہ ان کے اپنے بین قائم کردہ منہجی قاعدے (محولہ بالا کتاب، ص140) کی کھلی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔ اس سلسلے میں چند مثالوں کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا۔ شاخت نے امام شیبانی کی بیان کردہ ایک دلیل کا حوالہ پانچویں صدی ہجری کے اواخر کی ایک تصنیف یعنی سرخسی